

بسم اللہ الرحمن الرحیم
واللہ اعلم بالصواب
﴿آل عمران: ۱۰۳﴾

www.KitaboSunnat.com

تحریک اہلحدیث کا

تاریخی پس منظر

تالیف
ممتاز احمد عبداللطیف

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

*** توجہ فرمائیں! ***

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب.....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ

لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔

متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی

نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب: تحریک اہل حدیث کا تاریخی پس منظر
نام مؤلف: ممتاز احمد عبداللطیف
ناشر: دارالنشر والتالیف نئی دہلی
سن اشاعت: ۲۰۰۴ء
صفحات: ۱۰۱

ملنے کے پتے

☆ مرکز الإصلاح التعليمی الخیری۔ مواد مینتہ الشیخ۔ پراہی بازار۔ شیوہر۔
بہار۔ انڈیا۔ پین کوڈ ۸۴۳۳۳۴۔ فون: ۰۰۹۱/۶۲۲۲/۲۵۷۳۰۴
☆ ممتاز احمد عبداللطیف۔ مرکز الدعوة والإرشاد دبی پوسٹ بکس نمبر ۵۱۵۲
فون: ۰۲۲۷۰۲۲۸/۸۱۲/۲۲۶۹۰۴۱/۲۷۷۱
☆ دارالنشر والتالیف سی۔ ۱۲۵/۲۔ ابو الفضل انکلو، پارٹ ۲۔ اوکھلا،
نئی دہلی۔ ۲۵۔ فون: ۰۰۹۱/۱۱/۲۶۹۴۱۰۳۲

فہرست

صفحات	عناوین
۷-۵	☆ مقدمہ.
۸-۸	☆ تحریکات کا تاریخی عمل اور اس کے نتائج.
۱۱-۱۰	☆ فقہی مکاتب فکر اور طاہریت.
۱۲-۱۲	☆ فقہی مکاتب فکر کی تشکیل کی تاریخ.
۱۶-۱۲	☆ ائمہ دین کی تاریخ وفیات.
۲۰-۱۶	☆ خیر القرون قرنی.....
۲۶-۲۰	☆ تحریک اہل حدیث کی حقیقت.
۲۷-۲۶	☆ تین مغالطوں کا ازالہ.
۲۷-۲۷	☆ ﴿ا﴾ تحریک اہل حدیث کے محققین کو مقلدین ثابت کرنا.
۲۷-۲۷	☆ ﴿ب﴾ تحریک اہل حدیث کوئی مکتب فکر نہیں.
۲۷-۲۷	☆ ﴿ج﴾ فروعی مسائل میں شدت اور اصول سے انحراف.
۲۹-۲۷	☆ پہلا مغالطہ اور اس کی تردید.
۳۳-۲۹	☆ دوسرا مغالطہ اور اس کی تردید.
۳۷-۳۳	☆ تیسرا مغالطہ اور اس کی تردید.
۳۸-۳۷	☆ گروہ محدثین کا بٹوارا.
۳۹-۳۸	☆ تحریک اہل حدیث اور برصغیر.
۴۰-۳۹	☆ پہلا دور از ۱۵ھ یا از ۹۲ھ تا چوتھی صدی ہجری.
۴۵-۴۰	☆ دوسرا دور از چوتھی صدی ہجری تا ۱۲۶۲ھ.

- ☆ تیسرا دور از ۱۲۶۲ھ تا حال۔ ۴۵-۴۷
- ☆ تصوف اور خانقاہیت۔ ۴۷-۴۸
- ☆ برصغیر میں تحریک اہلحدیث کی باضابطہ تشکیل۔ ۴۸-۵۶
- ☆ تحریک اہل حدیث کا مسلک۔ ۵۷-۷۳
- ﴿۱﴾ عقیدہ براہ علم کلام۔ ۵۷-۶۰
- ﴿ب﴾ فقہی مسائل از راہ ائمہ۔ ۶۰-۶۳
- ﴿ج﴾ تصوف بنام تزکیہ و احسان۔ ۶۴-۶۵
- ☆ سلسلہ قادریہ۔ ۶۵-۶۵
- ☆ سلسلہ نقشبندیہ۔ ۶۵-۶۶
- ☆ سلسلہ سہروردیہ۔ ۶۶-۶۶
- ☆ سلسلہ رفاعیہ۔ ۶۶-۶۶
- ☆ سلسلہ تيجانیہ۔ ۶۶-۶۶
- ☆ سلسلہ چشتیہ۔ ۶۶-۷۳
- ☆ تحریک جہاد ہند اور نجد کی اصلاحی تحریک۔ ۷۳-۷۵
- ☆ تحریک اہل حدیث ہند اور نجد کی اصلاحی تحریک۔ ۷۵-۷۸
- ☆ تحریک اہل حدیث اور سیاست۔ ۷۸-۸۰
- ﴿۱﴾ اسلامی سیاست یا تحریک جہاد۔ ۸۰-۸۳
- ﴿۲﴾ جمہوری سیاست بالفاظ دیگر لادینی سیاست۔ ۸۳-۸۶
- ﴿۳﴾ اسلام کے نام پر جمہوری سیاست۔ ۸۶-۸۸
- ☆ اہل حدیث نام کی وجہ تسمیہ۔ ۸۹-۹۸
- ☆ تحریک اہل حدیث کا مقصد۔ ۹۸-۱۰۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین القائل فی کتابہ المبین ”وما کان المؤمن و لا مؤمنة اذا قضیٰ اللہ و رسولہ أمراً أن یکون لہم الخیرة من أمرہم، و من یعص اللہ و رسولہ فقد ضلّ ضلالاً مبیناً“ ﴿الأحزاب: ۳۶﴾ والصلاة والسلام علی نبیہ الناصح الأمين محمد بن عبد اللہ القائل ”لاتزال طائفة من أمتی ظاہرین علی الحق لا یضرہم من خذلہم حتی یأتی أمر اللہ“ ﴿مسلم﴾ وعلی آلہ و أصحابہ و من تبعہ بإحسان إلی یوم الدین۔

تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ جس نے اپنی کتاب مبین میں فرمایا: „اور دیکھو! کسی مومن مرد و عورت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، یاد رکھو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کریگا وہ صریح گمراہی میں پڑیگا“

اور درود و سلام ہو اس کے ناصح امین نبی محمد بن عبد اللہ پر جنہوں نے ارشاد فرمایا: „حق پر ایک جماعت ہمیشہ قائم رہیگی، اسے رسوا کرنے والے کی رسوائی نقصان نہیں پہنچائیگی یہاں تک کہ قیامت آجائے“

اور سلامتی ہو آپ کی آل و اولاد۔ اصحاب اور قیامت کے دن تک عہدگی کے ساتھ آپ کی پیروی کرنے والوں پر۔

اس مختصر حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد عرض ہے کہ راقم السطور نے تحریک اہلحدیث کے موضوع پر یہ سطور برہائے اعظم امریکہ۔ یورپ۔ ایشیا اور اسٹریلیا کے اپنے ان

تحریک اہلحدیث کا تاریخی پس منظر ﴿۶﴾ <http://www.quransunnah.com>

دینی بھائیوں اور شاگردوں کی بار بار تحریک پر لکھا ہے۔ جن کا تعلق انٹرنیٹ کی دنیا سے ہے۔ جنہیں تحریک کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی بڑی خواہش۔ آرزو اور حد درجے کی جستجو رہتی ہے۔ گرچہ ان کی اکثریت کونہ تو میں نے دیکھا ہے اور نہ انہوں نے ہمیں دیکھا ہے۔ بس انٹرنیٹ کے ایک مشہور زمانہ پروگرام ﴿Paltalk﴾ کے اندر واقع ایک کمرہ یا چینل ﴿صراط مستقیم﴾ کی ملاقات۔ گفتگو۔ تبادلہ خیالات۔ دینی سوالوں کے جوابات۔ علمی اور دعوتی دروس نے ہمیں باہم ایک دوسرے سے مربوط کر دیا ہے۔ جن میں لندن کے مجاہد۔ کناڈا کے ابو الوقف۔ اسٹریلیا کے ابو ہریرہ۔ سعودی عرب کے جانباز اور کویت کے تاجر اور احیاء وٹ کوم ﴿ahya.com﴾ کے مالک ساجد بھائی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں بالخصوص ساجد بھائی جن کو انٹرنیٹ کی دنیا سے بڑی دلچسپی اور لگاؤ ہے، وہ اہلحدیث علماء کی کتابوں، کیسٹوں اور مضامین و مقالات کا انسائیکلو پیڈیا احیاء وٹ کوم کے نام سے انٹرنیٹ کی دنیا کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ میری چند کتابیں بھی داخل کر چکے ہیں۔ ان کی شدید خواہش ہے کہ اس کتاب کو بھی اس انسائیکلو پیڈیا کا جلد از جلد حصہ بنادیا جائے۔ اللہ ایسا ہی کرے۔ اور انہیں جزائے خیر دے۔ آمین۔

قارئین! تحریک اہلحدیث کوئی نئی تحریک نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہی تحریک ہے جو عہد نبوی اور عہد صحابہ سے چلی آرہی ہے۔ جس کا شعار کتاب اللہ اور سنت رسول ہے۔ ہمارے جن قارئین کی نظر تاریخ اسلام پر ہوگی۔ وہ بخوبی جانتے ہوں گے کہ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں اہل سنت والجماعت میں دو ہی مکاتب فکر کا ظہور ہوا۔

﴿۱﴾ اہل الحدیث ﴿۲﴾ اہل الرائے۔

دونوں مکاتب فکر کے افکار و نظریات کا تحقیقی جائزہ لینے پر یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ تحریک اہلحدیث ہی اسلام کی حقیقی پاسباں ہے۔ جس کا کوئی

حقیقت پسند اور غیر جانب دار شخص انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ جیسی علمی اور تحقیقی شخصیت نے اپنی دور بینی اور دور اندیشی سے اس حقیقت کا پتہ لگالیا۔ فرماتے ہیں:

،، اهل الحديث في الفرق كالإسلام في الملل “﴿رد المنطق﴾

اہلحدیث کو فرقوں میں وہی حیثیت حاصل ہے جو ملتوں کو اسلام میں راقم السطور نے اسی حقیقت کو کتاب وسنت اور تاریخی شواہد کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ حق کے متلاشی کے لئے بھانت بھانت کے فرقوں میں حق کو پہچاننا آسان ہو جائے۔ اور امت اسلام کی صحیح رہنمائی ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اس مقصد میں کامیاب فرمائے۔ آمین۔

یہ کتاب دراصل راقم السطور کی کتاب ”تحریر اہلحدیث کا ایک مرکز“ کے چند منتخب ابواب کا خلاصہ ہے۔ جسے حک و اصلاح اور حذف و اضافہ کے ساتھ انٹرنیٹ کی دنیا کے لئے تیار کیا گیا ہے، چونکہ آج کی سریع الحركت دنیا اختصار کی طلب گار ہے۔ اس لئے اس کی تیاری میں اختصار سے کام لیا گیا ہے، تفصیل طلب قارئین اصل کتاب اور اس موضوع پر لکھی گئی دیگر کتابوں کی طرف رجوع کریں

قارئین! یقیناً آج کی دنیا میں انٹرنیٹ دیگر کاموں کی طرح دعوت کے لئے ایک بہترین ذریعہ، وسیلہ اور آلہ ہے، جس کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں، اس کی اہمیت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب کہ داعیان اسلام عموماً اس راہ سے غافل ہیں یا تساہل برتتے ہیں۔ لہذا! جو لوگ اس راہ سے دعوت کا کام کر رہے ہیں وہ قابل صد مبارک باد اور تعاون کے مستحق ہیں اور دعا کے بھی، اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو کامیاب فرمائے اور انہیں دنیا و آخرت میں سرخرو کرے آمین۔ فقط:

ممتاز احمد عبداللطیف

۲۱/۵/۱۴۲۴ھ

تحریک اہلحدیث کا شعار

﴿صراط مستقیم﴾

”وَأَنْ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ
وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَفْرُقَ بَكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ
ذَلِكُمْ وَصَّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ ﴿الأنعام: ۵۳﴾
یہی راہ میری سیدھی راہ ہے سو اسی پر چلو اور دوسری راہوں پر نہ چلو کہ
اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکا کر تمہیں جدا جدا کر دیں، یہ بات ہے جس کا
اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے، تاکہ تم پر ہیز گار ہو جاؤ۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

تحریکات کا تاریخی عمل اور اس کے نتائج

تحریکیں عموماً وقتی تقاضوں کی پیداوار ہوتی ہیں، اور اپنی عمریں پوری کرنے کے بعد یا تو بالکل معدوم ہو جاتی ہیں، یا تعصب اور عنصرت کا شکار ہو کر اپنے مقاصد سے ہٹ جاتی ہیں، یا کم از کم سرد مہری کی شکار ہو جاتی ہیں۔

تاریخ اسلام کا دامن اس حقیقت سے خالی نہیں بلکہ لبریز ہے، قدریہ، مرجیہ، جہمیہ اور دیگر تحریکیں بڑی آب و تاب سے اٹھیں اور معدوم ہو گئیں، شیعہ اور خوارج تعصب اور عنصرت کا شکار ہو کر اپنے مقاصد سے ہٹ گئیں، شیعہ کے تشیع کا مقصد آل بیت کی حمایت خاص کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولایت قائم کرنی تھی، لیکن وہ اپنے مقصد سے ہٹ کر صحابہ پر سب و شتم، ابو بکرؓ و عمرؓ کو خلافت کے غاصب، حرم خانہ نبوی پر تبر ابازی حتیٰ کے قرآن مجید میں تحریف اور تزئید کی قائل ہو گئی، خوارج کے خروج کا مقصد علی اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت سے الگ ہو کر کتاب و سنت کی بالا دستی قائم کرنی تھی، لیکن وہ ان دونوں خلافتوں پر کفر کا فتویٰ جر کر خود کفر کا شکار ہو گئی۔

چوتھی صدی ہجری تک اسلام کے نام پر اتنے فرقوں نے جنم لیا، اور اس کثرت سے فقہاء کی آراء باہم متضاد ہونے لگیں کہ اہل سنت والجماعت کی اکثریت کو چار اماموں کی تقلید پر آمادہ ہونا پڑا، جس نے بعد میں چل کر وجوب کا درجہ اختیار کر لیا، اس کا مثبت فائدہ یہ ہوا کہ اسلام کے نام پر باطل فرقوں کی روز بروز پیدائش پر پابندی لگ گئی یا کم از کم اس کا زور ٹوٹ گیا، لیکن اس کا منفی نتیجہ یہ ہوا کہ امت اسلام کی اکثریت چار گروہوں میں بٹ گئی، اور بعض عقائدی اور فروعی مسائل میں اس طرح دست بگریباں ہوئیں کہ امت اسلام کی وحدت کا پرچہ اڑ گیا، اور ”واعصموا بحبل

اللہ جمیعاً و لا تفرقوا“ کا حکم صرف قرآن مجید کی زینت بن کر رہ گیا، گرچہ زمانے کے تقاضے اور مسلمانوں کی عالمی ذلت و نکبت نے انہیں اپنے اس تناؤ اور اختلاف میں کمی لانے پر مجبور کیا ہے۔

فقہی مکاتب فکر اور ظاہریت

فقہی مکاتب فکر کے تناؤ اور اختلاف کی معرکہ آرائی سے ظاہریت وجود میں آئی، جس کے بانی داؤد ظاہریؒ اور جس کو غذا و جلا بخشنے والے علامہ ابن حزمؒ ہوئے، فقہی مکاتب فکر نے قیاس پر اتنا زور دیا کہ ارشادات رسول اس کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے، اور ظاہریت نے کتاب و سنت کی بالادستی پر اتنا زور دیا کہ قیاس کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت باقی نہ رہی، حالانکہ کسی بھی تحریک کے قائم اور دائم رہنے کے لئے قانون میں ایسی شق کا ہونا ضروری ہے جس کے ذریعے آئے دن پیش آمدہ مسائل کی گرہ کشائی کی جاسکے، اسلام نے اسی فطری ضرورت کے پیش نظر اپنے قانون میں قیاس کی گنجائش رکھی، جس کا نام فقہاء کی اصطلاح میں قیاس پڑا جو دراصل شرعی اجتہاد کی ایک قانونی شق ہے۔

بھلا ہو گروہِ محدثین اور جماعت اہل حدیث کا کہ انہوں نے اسلام کی ابتدائی تاریخ ہی سے قیاس اور ظاہریت کے درمیان کی راہ اختیار کی، پیش آمدہ مسائل میں ضرورتاً قیاس کو جگہ دی اور اس میں توسع پسندی سے خود پرہیز کیا اور دوسروں کو پرہیز کرنے کی تلقین کی، اور ظاہریت کی طرح قیاس کی فطری ضرورت سے انکار نہ کیا، یہاں پر صرف قیاس کی وسعت پسندی اور ظاہریت کی تنگ دامانی سے ایک ایک مثال دیکر بات آگے بڑھائی جاتی ہے:

قیاس میں وسعت پزیری کا نتیجہ ہوا کہ قرآن مجید کھول کر حالتِ نماز میں اس کی



قرأت کرنا نماز کے بطلان کا سبب بنا، اور اس کے برعکس حالت نماز میں اگر کسی نمازی کی کسی عورت کی شرم گاہ پر نظر پڑ گئی تو اس سے نماز باطل نہ ہوئی، کیوں کہ قرآن مجید کے اوراق کو حالت نماز میں الٹ پلٹ کرنا بعض فقہاء کی اصطلاح میں ”عمل کثیر“ ہے اور عمل کثیر سے نماز باطل ہو جاتی ہے، لیکن حالت نماز میں کسی نمازی کا کسی عورت کی شرم گاہ کو دیکھنا بعض فقہاء کی اصطلاح میں ”عمل قلیل“ ہے، اس لئے اس سے نماز باطل نہیں ہوتی، حالانکہ بخاری شریف میں حضرت ذکوان مولیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حالت نماز میں قرآن مجید کھول کر امامت کرنے کا واضح ثبوت موجود ہے، جن کی اقتداء میں حضرت عائشہؓ نے بھی نماز ادا کی۔

اب ظاہریت کی ظاہر پسندی ملاحظہ کیجئے، ان کے یہاں رکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے، اس لئے کہ اللہ کے رسول نے اسے منع فرمایا ہے، لیکن رکے ہوئے پانی میں پانچخانہ کرنا درست ہے کیوں کہ اس سلسلے میں اللہ کے رسول سے کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے۔

گروہ محدثین اور جماعت اہل حدیث نے قرآن کھول اور دیکھ کر نماز پڑھنے کو درست ٹھہرایا، کیوں کہ صحابہ سے یہ امر ثابت ہے، اور رکے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرنے والی روایت پر پانچخانہ کو قیاس کر کے دونوں سے منع فرمایا، کیوں کہ مقیس علیہ میں علت مشترک ہے بلکہ مقیس علیہ یعنی رکے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرنے کی علت ﴿گندگی﴾ سے مقیس یعنی رکے ہوئے پانی میں پانچخانہ نہ کرنے کی علت ﴿گندگی﴾ قوی تر ہے، جسے علم دین کا ادنیٰ فہم و ادراک رکھنے والا بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔



فقہی مکاتب فکر کی تشکیل کی تاریخ

فقہی مکاتب فکر کی تشکیل کی حتمی تاریخ کا فیصلہ کرنا بڑا مشکل کام ہے، کیوں کہ یہ عمل امت میں بتدریج فروغ پایا، مشہور ائمہ دین کے شاگردوں نے ان کے اقوال اور پھر ان کے اصول و اقوال پر مسائل کا استنباط و استخراج مرحلہ وار اور بتدریج کیا ہے، اس کی واضح دلیل ائمہ میں ہر ایک کا اپنی رائے کی بالادستی اور تقلید کی دعوت نہ دینا اور نہ اس کے لئے باضابطہ راہ ہموار کرنا ہے، بلکہ ہر ایک نے سنت رسول کے ملتے ہی اپنی رائے کو دیوار سے مار دینے، چھوڑ دینے اور خیر باد کہہ دینے کی تعلیم دی ہے، اور ان کی جلالت علمی اور کتاب و سنت کی اتباع کا عین تقاضا بھی یہی تھا، اس امر کے بتدریج رواج پانے کو ذیل کے دو بنیادی امور سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے:

﴿۱﴾ ان ائمہ دین کی تاریخ و فیات. ﴿۲﴾ اللہ کے رسول کی حدیث ”خیر القرون قرنی..... جس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

﴿۱﴾ ائمہ دین کی تاریخ و فیات

﴿۱﴾ امام ابوحنیفہؒ کی وفات ۱۵۰ھ میں بمقام بغداد ہوئی۔

﴿ب﴾ امام مالکؒ کی وفات ۱۷۹ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔

﴿ج﴾ امام شافعیؒ کی وفات ۲۰۴ھ میں مصر کی موجودہ راجدھانی قاہرہ میں ہوئی۔

﴿د﴾ امام احمد بن حنبلؒ کی وفات ۲۴۱ھ میں بمقام بغداد ہوئی۔

ان مذکورہ بالا ائمہ دین کے سنین و فیات سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ۱۵۰ھ تک امام ابوحنیفہؒ کی تقلید، ۱۷۹ھ تک امام مالکؒ کی تقلید، ۲۰۴ھ تک امام شافعیؒ کی تقلید اور ۲۴۱ھ تک امام احمد بن حنبلؒ کی تقلید کا تصور تک قائم نہ ہوا تھا، چہ جائے کہ مذکورہ ہجری سالوں تک تقلیدی مکاتب فکر کا رواج عام ہو جائے، ان کی وفیات کے

تحریر ایک اہلحدیث کا تاریخی پس منظر ﴿۱۳﴾ <http://www.quransunnah.com>

بعد ہی ان کے ارشد تلامذہ نے ان کی آراء اور اقوال کو نجی، عوامی اور حکومتی سطحوں پر رواج دینا شروع کیا، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ نے قضاء کے منصب پر فائز ہونے کے بعد اپنے استاذ گرامی امام ابو حنیفہؒ کی آراء و اقوال اور اجتہادات کے مطابق فیصلہ دینا شروع کیا، لیکن ساتھ ہی انہیں جن مسائل میں کتاب و سنت کے مطابق ان کی آراء مرجوح معلوم ہوئیں تو انہوں نے اپنی آراء کا اظہار کیا اور ان کے مطابق فیصلہ بھی کیا، جس کی شہادت حنفی مکتب فکر کی فقہی کتابیں دیر ہی ہیں، چونکہ امام ابو یوسفؒ کی مسند قضاء و افتاء سرزمین بغداد پر بچھی تھی، اس لئے اس راہ سے بغداد، شام، ماوراء النہر، افغانستان اور پھر برصغیر تک امام ابو حنیفہؒ کی آراء و اقوال اور اجتہادات کو غذائی اور ان خطوط اور ان کے قرب و جوار میں ان کا رواج عام ہوا، امام مالکؒ کی علمی اور فقہی مسند رسول پاک کے شہر مدینہ منورہ میں بچھی تھی، اور ان کی مسند علمی اور فقہی آراء و اجتہاد سے سوڈان اور دیگر افریقی ممالک سے آنے والے طلبہ نے زیادہ اثر قبول کیا اور ان کے دوش پر دوسری صدی ہجری کے بعد ان ممالک میں ان کی فقہی آراء کو قبولیت عام حاصل ہوئی، لیکن خود اسرار شریعت کے ماہر اور راز داں امام مالکؒ نے بادشاہ وقت ہارون الرشیدؒ کی اس درخواست کو کہ موطاً کو خلافت عباسیہ کا قانون قرار دینے کی اجازت دی جائے، یہ کھکر رد کر دیا کہ اللہ کے رسول کے جانثار صحابہؓ اور ان کے ارشد تلامذہ تابعین کے دوش پر اللہ کے رسول کا پیغام ہر دیار میں پہنچ چکا ہے اور جس پر وہاں کے لوگ عمل کر رہے ہیں، لہذا صرف میری آراء کا ہر ایک کو پابند بنانا مناسب نہیں ہے، امام شافعیؒ کی شان ان دونوں ائمہ دین سے زیادہ نرالی ہے، یہ قریشی نوجوان اپنے سینے پر یتیمی کا داغ سجائے اپنے خانوادے اور دیار حبیب مکہ مکرمہ سے حصول علم کے لئے مدینۃ الرسول کو شوق علم میں رواں دواں ہوتا ہے، اور اپنے روحانی باپ امام مالکؒ کی علمی گود میں پرورش و پرداخت اور مسلسل سات سال تک شمع علم نبوی

سے مستنیر ہو کر پھر مزید تعلیم کے لئے بغداد کی راہ لیتا ہے، اور وہاں امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید امام محمدؒ سے فقہی باریکیاں حاصل کرتا ہے، اور دوسری طرف ان کے علم غزیر سے امام احمد بن حنبلؒ جیسی عظیم شخصیت مستفید ہوتی ہے، جس کی شہادت ترکِ صلاۃ پر کفر اور عدم کفر کا وہ مشہور مناظرہ جو ان دونوں ائمہ دین کے درمیان ہوا تھا بخوبی دیر ہا ہے، جو فقہ کی کتابوں میں درج ہے۔ پھر یہ قرشی جوان بادیہ پیمائی کر کے قبیلہ ہذیل سے خالص عربی زبان و ادب کی تعلیم حاصل کرتا ہے، اور بیک وقت علم حدیث، علم فقہ اور عربی زبان و ادب پر کامل دست رس حاصل کر کے دنیا کی قدیم علم و ثقافت کی سر زمین مصر پر اپنی مسند علم شریعت بچھاتا ہے، اور وہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے، ان کے اس علمی اسفار اور ہر فن کے ماہرین سے علم شریعت کا جام نوش کرنے سے یہ امر کھل کر سامنے آتا ہے کہ اس وقت تک تقلیدی مکاتب فکر کا باضابطہ کوئی تصور قائم نہیں ہو سکا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ تو درحقیقت گروہ محدثین کے ایک درخشاں ستارہ تھے، ان کی علم حدیث پر مہارت ان کی ”مسند“ شاہد عدل ہے، اس لئے ان کے یہاں اور ان کے شاگردوں کے درمیان ان کی آراء اور اقوال اور اجتہادات سے زیادہ حدیث رسول کا شیوع اور رواج عام رہا، حدیث رسول سے قربت ہی کا نتیجہ تھا کہ ان کے اتباع میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ جیسے نابغہ روزگار پیدا ہوئے جنہوں نے امت اسلام کے عہد تقلید کے عروج کے دور میں بھی کتاب و سنت کی شمع روشن کرنے کی ہر ممکن کوشش کیں، شیخ الاسلام کا ۳۷ جلدوں پر مشتمل مجموعہ فتاویٰ فروعی مسائل میں اعتدال کی راہ اور ابن القیمؒ کی ”اعلام الموقعین“ تقلید کی تردید اور کتاب و سنت کے تمسک کی عظیم شاہکار ہیں، ان کی تعلیمات پر بعد کے عہد میں بھی جو کوششیں کی گئیں، ان میں فروعی مسائل میں اعتدال اور کتاب و سنت کی اشاعت کی ترویج کا عمل دخل دوسرے فقہی مکاتب فکر سے زیادہ رہا، ان کے یہاں حدیث رسول کے ملتے ہی اور

تحریک اہلحدیث کا تاریخی پس منظر ﴿۱۵﴾ <http://www.quransunnah.com>

کتاب وسنت کی روشنی میں رائج رائے کے واضح ہو جانے کے بعد امام احمد بن حنبلؒ کی کسی رائے کو ترک کرنے میں ذرا بھی تردد نہیں ہوتا، اسی راہ سے عالم اسلام کے سلفی مکتب فکر کو ان کے اتباع سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ قربت ہے، چنانچہ علامہ محمد ناصر الدین البانیؒ جیسے علم حدیث کے جوہری اور تحریک اہل حدیث کے شیدابلا جھجھک فرماتے ہیں:

”والحسابلة منهم خاصة، الذين هم - فيما علمت - أقرب الناس الى السنة على السلوك معنا في طريق الاستدلال الفكري الذي يعرف اليوم بـ ﴿الفقه المقارن﴾“ ﴿ارواء الغلیل. ج ۱ ص: ۹﴾
ان میں یعنی مروجہ فقہی مذاہب میں سے خاص کر حنابلہ میرے علم کے مطابق فقہ مقارن کی موجودہ تحریک کو غذا بخشنے والے ہم گروہ محدثین اور تحریک اہل حدیث سے دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ قریب ہیں۔

محدث عصر کا یہ تجزیہ صد فی صد درست اور صحیح ہے، بلکہ راقم السطور ان کے اس تجزیہ میں اتنا اضافہ کرنے کی جرأت کرتا ہے کہ موجودہ دور میں فقہ مقارن کی تحریک کے سرپرست حنابلہ ہی ہیں، اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے سرزمین حرمین میں کتاب وسنت کی تنفیذ کی بدولت سر بلندی عطا کر رکھی ہے، اللہ تعالیٰ اس کام کو ان کی سرپرستی میں تکمیل کا جامہ پہنائے، ان کی یونیورسٹیوں کے کورس میں حنفی عالم کی تحریر کردہ عقیدہ کی کتاب ”شرح العقيدة الطحاوية“ اور مالکی مذہب کی تحریر کردہ فقہی کتاب ”بدایة المجتهد و نہایة المقتصد“ وغیرہ اسی حکمت عملی سے شامل کی گئی ہیں۔

راقم السطور کو اب تک اپنی پچیس سالہ طالب علمی اور دعوتی زندگی ان کے ساتھ گزارنے کا موقع ملا ہے، اور میں نے ان کے عوام، علماء اور حکام کو کتاب وسنت کا حامی اور ان پر عمل کرنے والوں سے الفت ومحبت کرنے والا پایا ہے، اس معنی میں

تحریکِ اہلحدیث کا تاریخی پس منظر ﴿۱۶﴾ <http://www.quransunnah.com>

انہیں گروہِ محدثین اور جماعتِ اہل حدیث کا حامل و عامل کہنا درست ہوگا، سعودی حکومت کے اندر چوٹی کے سلفی علماء شیخ بن باز، شیخ محمد صالح العثیمین اور ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ کی نشوونما ان کی پزیرائی، ان کی آراء کی قدردانی اور ان کی خدمات کی مادی اور معنوی اعانت اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

﴿۲﴾ خیر القرون قرنی.....

فقہی مکاتب فکر کی بتدریج ترویج و اشاعت کے تاریخی عمل کو اللہ کے رسول کی اس حدیث سے بھی سمجھا جاسکتا ہے:

”عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال:

”خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم“ قال عمران:

فلا أدري أقال بعد قرنه مرتین أو ثلاثاً“ ﴿البخاری و مسلم﴾

عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ”میری صدی سب سے بہتر صدی ہے، پھر اس کے بعد کی صدی اور پھر اس کے بعد کی صدی“

راوی حدیث حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ میں یاد نہ رکھ سکا کہ اللہ کے رسول نے اپنی صدی کے بعد دو صدیوں کا ذکر فرمایا تھا یا تین کا۔

اس ارشاد رسول سے تین عہدوں کی وضاحت ہوتی ہے اور اگر شکِ راوی کا اعتبار کر لیا جائے تو چار عہدوں اور صدیوں کا، جن کو ذیل کے اس خاکے سے سمجھا جاسکتا ہے:

﴿۱﴾ عہدِ نبی اور عہدِ صحابہ:..... عہدِ رسول سے لیکر آخری صحابی حضرت ابو طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ﴿۱۱۰ھ﴾ تک کا زمانہ۔

﴿۲﴾ عہدِ تابعین:..... ۱۱۰ھ سے لے کر دوسری صدی ہجری کے اواخر تک۔

تحریکِ اہلحدیث کا تاریخی پس منظر ﴿۱۷﴾ <http://www.quransunnah.com>

﴿۳﴾ عہد تبع تابعین:....دوسری صدی کے اواخر سے لے کر امام احمد بن حنبلؒ کی وفات ﴿۲۴۱ھ﴾ تک یا تیسری صدی کے اواخر تک۔

﴿۴﴾ اتباع تبع تابعین:....تیسری صدی کے اواخر سے لیکر چوتھی صدی تک، اگر شک راوی کا اعتبار کر لیا جائے۔

اس خیر القرون مشہود لھا بالخیر میں گرچہ فقہی مکاتب فکر کی باضابطہ تشکیل نہ ہو سکی تھی، لیکن تیسری صدی کے اواخر سے اس کے لئے زمین ہموار ہونے لگی تھی، چنانچہ اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

”وبعد القرنين حدث فيهم شيء من التخرج غير أن أهل المائة الرابعة لم يكونوا مجتمعين على التقليد الخالص على مذهب واحد والتفقه له و الحكاية لقوله كما يظهر من التبع بل كان فيهم العلماء والعامة. وكان من خبر العامة أنهم كانوا في المسائل الاجتماعية التي لا اختلاف فيها بين المسلمين وجمهور المجتهدين لا يقلدون إلا صاحب الشرع، وكانوا يتعلمون صفة الوضوء والغسل والصلاة والزكاة ونحو ذلك من آباءهم أو معلمي بلدانهم فيمشون حسب ذلك، وإذا وقعت لهم واقعة استفتوا فيها أي مفت و جدوا من غير تعيين مذهب“ ﴿حجة الله البالغة ج ۱ ص: ۱۵۲-۱۵۳﴾

دو صدیوں کے بعد مسائل کے استنباط و استخراج کا قدرے رواج ہونے لگا، لیکن چوتھی صدی ہجری تک کسی ایک مذہب کی نری تقلید، اس راہ میں فقہی تک بندی اور اس کی نقل و حکایت پر امت اسلام جمع نہ ہوئی تھی، جیسا کہ اس وقت کے حالات و ظروف سے واضح ہوتا ہے، بلکہ ان میں بلا تفریق مذاہب علماء اور عوام ایک دوسرے کے تعاون سے دین اسلام پر قائم و دائم تھے۔

تحریکِ اہلحدیث کا تاریخی پس منظر ﴿۱۸﴾ <http://www.quransunnah.com>

عام لوگ مسلمانوں اور جمہور مجتہدین کے درمیان غیر مختلف فیہ اجتماعی مسائل میں صرف صاحب شریعت محمد کی تقلید و اتباع کرتے تھے، وضوء، غسل، نماز اور زکاۃ وغیرہ کی تعلیم اپنے ماں باپ اور اپنے شہروں کے اساتذہ اور معلمین سے سیکھ کر اس کے مطابق عمل کیا کرتے تھے، جب ان کے درمیان کوئی واقعہ اور مسئلہ پیدا ہوتا تو وہ بغیر کسی مذہب کی تعیین کے جس مفتی کو پاتے ان سے مسئلہ دریافت کر لیتے۔
اور پھر آگے فرماتے ہیں:

”أنهم اطمأنوا بالتقليد و دب التقليد في صدورهم ديب النمل و هم لا يشعرون، و كان سبب ذلك تراحم الفقهاء و تجادلهم فيما بينهم فانهم لما وقعت فيهم المزا حمة في الفتوى كان كل من أفتى بشيء نوقض في فتواه، ورد عليه فلم ينقطع الكلام الا بمسير الى تصريح رجل من المتقدمين في المسألة، ﴿حجة الله البالغة ج ۱ ص: ۵۳﴾ پھر ان کے دلوں میں چینیٹی کے چلنے کی مانند تقلید سرایت کر گئی، جس پر وہ مطمئن ہو گئے، جس کا انہیں احساس و شعور تک نہ ہوا، جس کی وجہ فقہاء کی باہم مزاحمت اور آپس کی فقہی جنگ و جدال تھی، جب مسئلے مسائل اور فتوے کے میدان میں یہ مزاحمت اور جنگ و جدال قائم ہو گئی تو ہر مفتی اپنی مخالف رائے کے مفتی کی نقض و تردید میں اس وقت تک اپنا زور صرف کرتا یہاں تک کہ زیر بحث مسئلے میں متقدمین میں سے کسی کی کوئی وضاحت نہ مل جاتی۔
اور ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

”ثم جاءت الأئمة من القرن الرابع المفضل في احدى الروايتين كما ثبت في الصحيح من حديث أبي سعيد و ابن مسعود و أبي هريرة و عائشة و عمران بن حصين فسلکوا على آثارهم اقتصاصا و اقتبسوا

هذا الأمر عن مشكاتهم اقتباسا ، و كان دين الله سبحانه أجلّ في صدورهم و أعظم في نفوسهم من أن يقدموا عليه رأيا أو معقولا أو تقليدا أو قياسا فطار لهم الشناء الحسن في العالمين، وجعل الله سبحانه لهم لسان صدق في الآخرين، ثم سار على آثارهم الرعيل الأول من أتباعهم و درج على منهاجهم الموفقون من أشياعهم زاهدين في التعصب للرجال واقفين مع الحجة و الاستدلال، يسيرون مع الحق أين سارت ركائبه، و يستقلون مع الصواب حيث استقلت مضاربه ، اذا بدا لهم الدليل بأخذته طاروا اليه زرافات و وحادانا، و اذا دعاهم الرسول الى أمر انتدبوا اليه و لا يسألونه عما قال برهانا ، و نصوصه أجل في صدورهم و أعظم في نفوسهم من أن يقدموا عليها قول أحد من الناس أو يعارضوها برأي أو قياس .

ثم خلف من بعدهم خلوف فرقوا دينهم و كانوا شيعا كل حزب بما لديهم فرحون، و تقطعوا أمرهم بينهم زبرا و كل الى ربهم راجعون، جعلوا التعصب للمذاهب ديانتهم التي بها يدينون، و رؤس أموالهم التي يتجرون، و آخرون منهم قنعوا بمحض التقليد و قالوا: انا وجدنا آباءنا على أمة و انا على آثارهم مقتدون“

﴿أعلام الموقعين عن رب العالمين. ج ۱ ص: ۶-۷﴾

پھر چوتھی صدی آئی جو دو روایتوں میں سے ایک روایت کے مطابق فضیلت والی صدی ہے، جیسا کہ ابوسعید، عبد اللہ بن مسعود، ابو ہریرہ، عائشہ اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے صحیح ﴿بخاری و مسلم﴾ میں مروی ہے، اس صدی کے ائمہ دین اپنے پیش رو ائمہ دین کے نقش قدم پر چلے اور انہی کے نور سے مستنیر ہوئے، ان کی ذات

اور ان کے سینے دین الہی کے پیغام سے معمور تھے اور ان کے نزدیک اللہ کا دین اس سے کہیں بلند تھا کہ وہ عقل، رائے، قیاس اور تقلید کو اس پر مقدم جانتے، جس کی وجہ سے ان کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر جمیل ان کے بعد بھی رکھا، پھر ان کے تابعداروں کا ہر اول دستہ اللہ کی توفیق سے ان ہی کے نقش قدم پر گامزن رہا، وہ شخصیات میں غلو اور تعصب کی راہ اختیار کرنے سے بالکل کنارہ کش رہے، اور اپنے ماسبق بزرگوں کی طرح دلیل و برہان کی اتباع کرتے، حق کا دامن ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا، ان کا ہر عمل اسی کے ارد گرد گھومتا رہا، دلیل کے واضح ہو جانے کے بعد تنہا اور باجماعت اسے مضبوطی سے تھام لیتے، حدیث رسول سنتے ہی پروانہ وار اس پر لپکتے، اور اسے دل و جان سے لگا لیتے، اور اس کے خلاف کسی مزید دلیل اور حجت کی قطعاً کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے، ان کے دل و دماغ اور ان کی ذات پر کتاب و سنت کی نصوص کی حکمرانی ہوتی، ان کا معارضہ اور مقابلہ کسی انسان کے قول، اس کی رائے اور قیاس سے نہیں کرتے۔

زمانے نے کروٹ لی، ایسے لوگ یکے بعد دیگرے آئے جنہوں نے دین الہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، اور ہر فرقہ اپنے قائم کردہ اصول و فروع پر خوشی خوشی جم گیا، اور ان کی اصل پوجی مذہبی تعصب ہو گئی، ان میں ایسے لوگ پیدا ہوتے گئے جنہوں نے صرف تقلید پر قناعت کر لی، اور صدا لگائی کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد اور بزرگوں کو اسی مذہب پر پایا ہے، اس لئے ہم ان ہی کے نقش قدم پر چلیں گے۔

تحریک اہل حدیث کی حقیقت

مذکورہ بالا تاریخی عمل کی ہلکی وضاحت سے یہ بات اچھی طرح کھل کر سامنے آگئی ہے کہ عہد رسول سے لے کر قرون اولیٰ میں علماء، حکام اور عوام تینوں سطحوں پر تحریک

تحریک اہلحدیث کا تاریخی پس منظر ﴿۲۱﴾ <http://www.quransunnah.com>

اہلحدیث کا عمل ہی جاری و ساری تھا، گرچہ اس کے جوار میں فقہی مکاتب فکر نے اپنے بال و پر نکالنے شروع کر دیئے تھے، یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے، جس کا کوئی حقیقت پسند اور غیر جانب دار فرد انکار نہیں کر سکتا، اور اس حقیقت سے بھی کسی کو انکار نہیں ہونا چاہیے کہ یہ تحریک ہی دراصل اسلام کی حقیقی پاسباں ہے، اس سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ قول کتنا معقول اور حقیقت کا آئینہ دار ہے:

”أهل الحديث في الفرق كالإسلام في الملل“ ﴿رد المنطق﴾

اہل حدیث کو فرقوں میں وہی حیثیت حاصل ہے جو ملتوں میں اسلام کو اس امر کو تاریخی عمل کی اس حقیقت سے بھی بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں اہل سنت والجماعت میں دو ہی فکاتب فکر کا ظہور ہوا، اور آج بھی انہیں بنیادی طور پر دو ہی گروہ میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

﴿۱﴾ اہل الحدیث۔

﴿۲﴾ اہل الرائے۔

اہلحدیث کا اصل مستقر سرزمین حجاز مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ رہا، جہاں سے اسلام کی ضیا پاشی کا عمل شروع ہوا تھا، پھر بتدریج گروہ محدثین کے دوش پر تحریک اہل حدیث دنیا میں پھیل گئی۔

اور اہل الرائے کا مستقر پہلے پہل عراق کی سرزمین رہا اور پھر دنیا کے دیگر خطوں میں مختلف پلیٹ فارموں سے بتدریج قائم ہونے لگا، جسے بعد میں چل کر مذاہب اربعہ میں محصور کر دیا گیا، جو آج چار فقہی مذاہب سے امت اسلام میں مشہور و معروف ہیں، گرچہ ان کے علاوہ بھی فکر و رائے کی چادر امت اسلام میں بکھی جیسے فقہ امام ابن ثور اور فقہ داؤد ظاہری وغیرہ، لیکن انہیں وہ شہرت اور مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جو ان چاروں فقہی مذاہب کو ہوئی۔ راقم السطور اپنے اس تجزیہ کو امت اسلام کے مختلف تاریخی

ادوار کے تین بڑے مورخین و محققین کی آراء سے جلاءِ بخشے کی جرأت و سعادت حاصل کرتا ہے: علامہ شہرستانی فرماتے ہیں:

”ثم المجتهدون من أئمة الأمة محصورون في صنفين لا يعدوان الى ثالث، أصحاب الحديث و أصحاب الرأي، أصحاب الحديث و هم أهل الحجاز و أصحاب مالک بن أنس و أصحاب محمد بن ادريس الشافعي و أصحاب سفيان الثوري و أصحاب أحمد بن حنبل و أصحاب داؤد بن علي بن محمد الأصفهاني و انما سموا أصحاب الحديث لأن عنايتهم بتحصيل الحديث و نقل الأخبار و بناء الأحكام على النصوص و لا يرجعون الى القياس الجلي و الخفي ما وجدوا خبرا أو أثرا.... أصحاب الرأي و هم أهل العراق هم أصحاب أبي حنيفة النعمان بن ثابت و من أصحابه محمد بن الحسن و أبو يوسف يعقوب بن ابراهيم بن محمد القاضي و زفر بن هذيل و الحسن بن زياد اللؤلؤي و ابن سماعه و عافية القاضي و أبو مطيع البلخي و البشر المريسي و انما سموا أصحاب الراي لأن عنايتهم بتحصيل وجه القياس و المعنى المستنبط من الأحكام و بناء الحوادث عليها ، و ربما يقدمون القياس الجلي على الأخبار الآحاد“

﴿الملل النحل. ج ۱ / ص: ۲۰۶-۲۰۷﴾

ائمہ مجتہدین کی صرف دو ہی قسمیں ہیں، اصحاب الحدیث اور اصحاب الرائے، اصحاب الحدیث کا مسکن اور جائے قرار سرزمین حجاز ہے، امام مالکؒ اور ان کے شاگرد، امام شافعیؒ اور ان کے شاگرد، سفیان ثوریؒ اور ان کے رفقاء، امام احمدؒ اور ان کے تلامذہ اور امام داؤد بن علی ظاہریؒ کے رفقاء اور ساتھی، انہیں اصحاب الحدیث اس لئے کہا جاتا

ہے کہ ان کی توجہ اور عنایت علم حدیث اور اخبار کی طرف ہے اور وہ اپنے احکام کی بنیاد نصوص پر رکھتے ہیں، جب تک کہ حدیث موجود ہو وہ قیاس جلی اور خفی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

اصحاب الرائے کا مسکن اور جائے قرار عراق ہے اور انہیں اہل الرائے کہا جاتا ہے اور وہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ ہیں، انہی میں امام محمد بن حسنؒ، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن محمدؒ، امام زفر بن ہذیلؒ، حسن بن زیادؒ، ابی، ابن سماعہ، قاضی عافیہ، ابو مطیع بلخی اور بشر مرسی وغیرہ ہیں، انہیں اصحاب الرائے سے اس لئے یاد کیا جاتا ہے کہ ان کی توجہ اور عنایت قیاس پر مرکوز رہی اور انہوں نے اسی پر اپنے مسائل کے استنباط و استخراج کی بنا رکھی اور رکھتے ہیں، اور بسا اوقات اس راہ میں خبر آحاد یعنی غیر متواتر احادیث نبویہ پر قیاس جلی کو مقدم کیا اور کرتے ہیں۔

علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں:

”وانقسم الفقہ فیہم الیٰ طریقین طریق اہل الرأی والقیاس وہم اہل العراق، وطریقة اہل الحدیث وہم اہل الحجاز وکان الحدیث قلیلا فی اہل العراق لما قدمناہ فاستکثروا من القیاس ومہروا فیہ فلذلک قیل اہل الرأی ومقدم جماعتہم الذی استقر المذہب فیہ و فی أصحابہ أبو حنیفۃ“ ﴿مقدمۃ ابن خلدون. ص: ۳۸۹﴾

اور فقہ دو حصوں میں تقسیم ہوگی، پہلی قسم اہل الرائے اور قیاس کی جس کا مرکز عراق ہے، اور دوسری قسم فقہ اہلحدیث کی جس کا مرکز حجاز ہے، اہل عراق میں حدیث کا رواج کم تھا، انہوں نے کثرت سے قیاس ورائے پر اپنا زور صرف کیا اور اس فن میں وہ ماہر ہو گئے، اس لئے انہیں اہل الرائے کہا گیا اور جس جماعت میں اس مذہب نے جڑ پکڑا، ان میں سرفہرست امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ ہیں۔

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

”باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل و فتویٰ بر دو وجہ بودند یکے آنکہ قرآن و حدیث و آثار صحابہ جمع می کردند و از انجا استنباط می نمودند، دریں طریقہ اصل راہ محدثین است، و دیگر آنکہ قواعد کلیہ کہ جمع از ائمہ تنقیح و تہذیب آں گروه اند یا دیگرند بملاحظہ مآخذ آنها پس مسئلہ کہ وارد می شد جواب آں از ہما قواعد طلب می کردند، و ایں طریقہ اصل راہ فقہاء است، و غالب بر بعض سلف طریقہ اولیٰ بود و بر بعض آخر طریقہ ثانیہ“

﴿ مصفیٰ، ج ۱ ص: ۴ بحوالہ تحریک آزادی فکر... ۱۰۸-۱۰۷ ﴾

سلف میں مسائل کے استنباط کے متعلق دو طریقے رائج تھے، پہلا طریقہ یہ تھا کہ قرآن و حدیث اور آثار صحابہ جمع کئے جائیں، اور انہیں اصل مان کر ان کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل پر غور کیا جائے، یہ محدثین کا طریقہ ہے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ائمہ کے تنقیح و تہذیب کئے ہوئے قواعد کلیہ کو اصل قرار دے کر ان ہی کے ذریعے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کیا جائے، اور اصل مآخذ کی طرف توجہ کی ضرورت نہ سمجھی جائے یہ فقہاء کا طریقہ ہے، سلف کا ایک بڑا گروہ پہلے طریقے کا پابند ہے ورا یک گروہ دوسرے طریقے کا۔

مذکورہ پہلا اقتباس چھٹی صدی ہجری کے اوائل کے مشہور مورخ اسلام علامہ شہرستانیؒ کا ہے، جب کہ تقلیدی مکاتب فکر کی باضابطہ تشکیل ہو چکی تھی، دوسرا اقتباس آٹھویں صدی ہجری کے اواخر کے مشہور تاریخ داں اور تنقید نگار علامہ ابن خلدونؒ کا ہے، جب کہ تقلیدی مکاتب فکر میں باہمی زور آزمائی کا سلسلہ عروج پر تھا، اور تیسرا اقتباس بارہویں صدی ہجری کے شاہ ولی اللہ محدث و محقق دہلویؒ کا ہے، جب کہ امت اسلام تقلیدی مکاتب فکر کے ساتھ باطل تصوف اور اپنی اقتدار کی تنزلی کے دور سے گزر رہی تھی۔

ان تینوں مذکورہ اقتباسات سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ تحریکِ اہل حدیث تاریخ کے ہر دور میں کتاب و سنت پر اپنے فقہی مسائل کی بنیاد رکھتی، اور کتاب و سنت کی نصوص کی موجودگی میں قیاس کی طرف ادنیٰ التفات نہیں کرتی، اس امر کی مزید وضاحت کتاب و سنت کے حاملین و عاملین اور داعین کی ذیل کی فہرست سے ہوتی ہے، جو ”تحریکِ آزادیِ فکر..... ص: ۱۰۲“ سے ماخوذ ہے۔

سنین و فیات	ائمہ محققین
۲۰۶ھ	بقی بن مخلد
۲۸۷ھ	احمد بن عاصم
۲۷۶ھ	قاسم بن محمد اندلسی
۳۱۰ھ	حافظ ابن خزیمہ
۳۱۸ھ	علامہ ابن منذر
۳۱۵ھ	حسین بن محمد سنخی
۳۴۶ھ	حافظ ابو یعلیٰ
۳۳۱ھ	حسن بن سعد قرطبی
۳۸۵ھ	ابن شاہین
۴۴۱ھ	حافظ محمد بن علی ساحلی
۴۸۸ھ	امام حمیدی
۵۰۷ھ	محمد بن طاہر مقدسی
۵۴۴ھ	امام عبدری
۵۶۶ھ	ابوزرعه بن محمد
۶۳۷ھ	حافظ ابن رومیہ

۷۷۲۸ھ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ

۷۸۱۷ھ

محمد بن یعقوب فیروز آبادی

۷۷۲۵ھ

محمد ابو یوسف ابو حیان اندلسی

۷۹۵۱ھ

شیخ شہاب الدین

۷۱۰۸۰ھ

سید تکی بن حسین

۷۱۱۰۸ھ

صالح بن محمد حمیدی

۷۱۱۶۰ھ

عبدالقادر بن علی بدری

۷۱۱۸۲ھ

سید محمد بن اسماعیل امیر یمانی

گویا تاریخ کے ہر دور میں محدثین پیدا ہوتے رہے، جنہوں نے کسی امام کی تقلید کے بجائے کتاب و سنت اور آثار صحابہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، انہی پر اپنے فقہی مسائل کی تفریع کی، اور ان ہی کی لوگوں کو دعوت دی، اور اسی تاریخی عمل کا نام تحریک الحمدیث ہے۔

تین مغالطوں کا ازالہ

یہ عجب المیہ ہے کہ تقلیدی مکاتب فکر کے اصحابِ علم و ہنر اور اربابِ دانش و بینش وقفہ وقفہ سے اس تحریک کو بدنام، اور اس کے چہرے کو داغدار کرنے کے لئے اس کے حاملین پر طرح طرح کے الزامات لگاتے رہتے ہیں، اور طرح طرح کے مغالطوں میں لوگوں کو مبتلا کرتے رہتے ہیں، حالانکہ آج کے تحقیقی دور میں اس طرح کے مغالطوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، پھر بھی سادہ لوح حضرات اس قسم کے مغالطے میں آجاتے ہیں، ان میں یہ تین مغالطے بڑے اہم ہیں:

﴿۱﴾ تحریک اہل حدیث کے قائدین و محققین کو مقلدین ثابت کرنا۔

﴿۲﴾ تحریک اہل حدیث کوئی مکتب فکر نہیں۔

﴿۳﴾ فروعی مسائل میں شدت اور اصول سے انحراف۔

پہلا مغالطہ اور اس کی تردید

پہلا مغالطہ تحریک اہلحدیث کے ہر دور کے حاملین و محققین کو کسی نہ کسی تقلیدی مکتب فکر کی طرف منسوب کر دینا ہے، جیسے ابن رشد، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن القیم اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہم، اس امر کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ان ائمہ کی پیدائش کسی نہ کسی تقلیدی مکتب فکر میں ہوئی، اور انہوں نے فطرۃً انہی کے اصول و ضوابط کے مطابق تعلیم حاصل کی، اور ان میں سے کسی پر اس کا اثر باقی رہا اور کسی نے بالکل ہر طرح کے اثرات سے الگ ہو کر گروہ محدثین کے طرز پر اپنی بنا رکھی، جس امر کو موجودہ دور کے مجدد شیخ بن باز اور محدث محمد ناصر الدین البانی کی ذات گرامی سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے، اول الذکر کی ولادت باسعادت حنبلی گھرانے میں ہوئی اور انہوں نے انہی کے اصول و ضوابط پر مسائل کے استنباط و استخراج کی بنا رکھی، لیکن انہوں نے اس امر کی وضاحت کر دی کہ میرا یہ عمل تقلید کی راہ سے نہیں بلکہ اتباع کی راہ سے ہے اور کتاب و سنت کے خلاف کوئی عمل پاتا ہوں تو اسے ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا بلکہ ضروری سمجھتا ہوں، راقم السطور نے ان کی حیات و سیرت پر لکھی گئی اپنی کتاب ”مجدد ملت“ میں ”حنبلیت“ اور ”سلفیت“ کے دو عنوانوں سے اس امر کی اچھی طرح گرہ کشائی کر دی ہے، جو قارئین اس امر کی تفصیل چاہتے ہیں وہ اس کتاب کی طرف رجوع فرمائیں، لیکن راقم السطور یہاں پر مجدد ملت شیخ بن باز کی سلفیت پر ایک مثال دے دینا چاہتا ہے، انہوں نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ماننے کے سلسلے میں

بادشاہ وقت امام عبدالعزیزؒ اور اپنے استاد گرامی سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیمؒ مفتی سعودی عرب کی بھی پرواہ نہ کی۔

ثانی الذکر محدث ناصر الدین البانی حنفی گھرانے میں پیدا ہوئے اور فطرۃً انہی کے اصول و ضوابط پر تعلیم حاصل کی، لیکن اپنے عالم دین والد محترم کی بھی اس راہ میں پرواہ نہ کی اور ٹھیٹھ محدثین کی راہ اختیار کر کے تحریر اہلحدیث کو غذا بنجشی، اب کوئی شخص مجدد ملت کو حنبلی اور محدث وقت کو حنفی کہے تو دنیا آج اسے مایخو لیا کا مریض ہی کہے گی، کیوں کہ اہل سنت والجماعت کا ہر موافق و مخالف گروہ ان دونوں شخصیات کو موجودہ تحریر اہلحدیث کا سرخیل، روح رواں اور مسیحا جانتا اور مانتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس قبیل کی ایک مثال ابن جریرؒ کے بارے میں پیش کی ہے، فرماتے ہیں:

”و معنی انتسابہ الی الشافعی أنه جرى على طريقتہ في الاجتهاد و استقرار الأدلة و ترتيب بعضها على بعض و وفاق اجتهاده و اذا خالف أحيانا لم يبال بالمخالفة ولم يخرج عن طريقتہ الا في مسائل و ذلك لا يقدح في دخوله في مذهب الشافعي“

﴿ الانصاف في بيان أسباب الاختلاف . ص : ۷۶ ﴾

امام شافعی کی طرف ان کی نسبت اس معنی میں ہے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد کی بنیاد ان ہی کے مقرر کئے گئے اصول و ضوابط پر رکھی، دلائل کی بحث و تحقیق اور ترتیب میں انہی کا طریقہ اختیار کیا، لیکن اگر کبھی ان کے اجتہاد سے اختلاف کیا تو اس کی کوئی پرواہ نہ کی، اس کے باوجود انہوں نے امام شافعی کے اصول و ضوابط سے چند ہی مسائل میں خروج کیا جو انہیں شافعی ہونے سے خارج نہیں کرتا۔

محدث دہلویؒ کے اس اقتباس کی آخری بات کہ انہیں اپنے امام سے اختلاف اور

ان کے اصول و ضوابط سے چند مسائل میں خروج کے باوجود انہیں شافعییت سے خارج نہیں کرتا، ان کی یہ بات ان کی تبحر علمی کے اقرار اور ان کی بلند و بالا شخصیت کے احترام کے باوجود میری نگاہ میں کم از کم محل نظر ہے، کیوں کہ کوئی شخص مجتہد کے رتبے تک پہنچ گیا تو اسے پھر کسی تقلیدی مکتب فکر میں داخل رکھنا کوئی معنی نہیں رکھتا، ہاں شیخ بن باز کی طرح تقلید کی راہ سے نہیں بلکہ اتباع کتاب و سنت کی راہ والی تعبیر یہاں بھی کارگر ہو سکتی ہے، جس کی بنیاد پر انہیں شافعی کہنا درست نہ ہوگا، بلکہ کتاب و سنت کا براہ راست حامل و عامل کہا جائیگا، یہاں پر ایک طرح کی اور تاویل کی جاتی ہے کہ اس طرح کے افراد مجتہد فی المذہب ہوا کرتے ہیں، لیکن یہ بھی تقلیدی فکر کا نتیجہ ہے، ورنہ علم و تحقیق کے میدان میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

پھر شاہ صاحب خود ہی آگے لکھتے ہیں:

”البالغون الى رتبة الاجتهاد، و المجتهد لا يقلد مجتهدا و انما ينسب اليه لجريهم على طريقه في الاجتهاد و استعمال الأدلة و ترتيب

بعضها على بعض“ ﴿الانصاف في أسباب الاختلاف. ص: ۷۷﴾

جو افراد رتبہ اجتہاد پر فائز ہو جاتے اور مجتہد ہو جاتے ہیں وہ دوسرے کسی مجتہد کی تقلید نہیں کرتے، لیکن ان کے طریقہ اجتہاد پر اجتہاد کرنے، دلائل کی بحث و تحقیق اور بعض کو بعض پر پیش کر کے ترتیب دینے کی وجہ سے ان کی طرف انہیں منسوب کیا جاتا ہے،

دوسرا مغالطہ اور اس کی تردید

فقہی مکاتب فکر کی طرف سے تحریک اہلحدیث پر دوسرا الزام یہ ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں علم حدیث کے حفاظ اور اس فن کے ماہرین کو اہل حدیث کہا گیا ہے، نہ یہ کوئی مکتب فکر ہے، اور نہ ان کے اندر فقیہانہ شان پائی جاتی ہے، یہ ایک ایسا تاریخی مغالطہ

ہے، جس کی تصدیق نہ تو تاریخ کرتی ہے، اور نہ اس امر کا اعتراف گروہِ محدثین کا عمل کرتا ہے، اور نہ اسے انسان کی فطرتِ سلیم اور عقل و ادراک قبول کرتی ہے کیوں کہ کسی بھی علم کے ماہر کے عقیدت مند اور اس کے پیروکار کا ہونا ایک ایسا تاریخی عمل ہے جس کا ہر فرد بشر معترف ہے الا یہ کہ اس کی بصیرت پر عنصرت کی چادر چڑھ گئی ہو، اور اس کی بصارت پر تعصب کی پٹی بندھ گئی ہو۔

چنانچہ محدثین کی تدوین کردہ احادیث کے مجموعے اور ان پر ان کی تبویب اس امر کی شاہدِ عدل ہیں کہ انہوں نے فقہاء کی طرح استدلال و استنباط سے کام لیا ہے، لیکن دونوں میں فرق یہ رہا ہے کہ محدثین جو احادیث رسول کے جویاں اور شیدارہے ہیں، انہوں نے اپنے تفقہ کی بنیاد خالص ارشادات رسول پر رکھی اور فقہاء نے اپنے تفقہ کی بنیاد رائے و اجتہاد پر رکھی، گرچہ انہوں نے بھی کتاب و سنت ہی کو اپنا پیشوا مانا۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ ہی سے اہل سنت و الجماعت کے ہر طبقے کے افراد نے گروہِ محدثین کی قدر و منزلت علم و ہنر کے دیگر گروہوں سے زیادہ کی ہے، کیوں کہ ان کی خدمات کی نسبت براہِ راست اللہ کے رسول سے جا ملتی ہے

پھر جن کی عقیدت اور قدر و منزلت لوگوں کے دلوں میں دوسروں سے زیادہ ہو، ان کے اتباع کا نہ ہونا ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے، ہاں انہوں نے باضابطہ کسی پلیٹ فارم کی تشکیل نہ دی، کیوں کہ یہی اسلام کا عین تقاضا ہے، مثال کے طور پر ماضی میں احمد بن حنبلؒ اور حاضر میں محمد ناصر الدین البانیؒ، لیکن ان دونوں کے اتباع ہیں، امام احمد بن حنبلؒ کے اتباع بعد میں چل کر حنبلی کہلائے لیکن ان کے یہاں فقہی مسائل میں رائے کے مقابلے میں احادیث رسول سے استدلال کا طریقہ غالب رہا اور ہے، اور البانیؒ کے بھی اتباع ہیں جنہیں ہر کوئی جانتا ہے۔

گروہِ محدثین کے اتباع کی عدم شہرت اور عدم شیوع کی دوسری وجہ ان کا حکومت

کے عہدوں سے عموماً دور رہنا ہے، کہ یہ راہ بہت ہی پرخطر ہے، دنیا کی لالچ اور اقتدار وقت کی صحیح اور غلط پالیسیوں کی حمایت کا امکان ہر گھڑی اس راہ میں سر پر تلوار کی طرح لٹکتا رہتا ہے، یہی وجہ کہ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں فقہائے اسلام نے بھی اس امر سے دوری اختیار کی، اس سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ کی شانِ نرالی اور مثالی ہے، لیکن بعد میں چل کر یہ سلسلہ باقی نہ رہ سکا اور خود ان کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ نے منصب قضاء قبول فرمایا اور ان کے دوش پر حنفی مکتب فکر کو فروغ ملا، یہی حال دوسرے فقہاء کے اتباع اور تلامذہ کا ہے، لیکن گروہِ محدثین کی اکثریت نے اپنی پرانی روایات کو باقی رکھا۔ جب سے دنیا میں جمہوریت کا چلن عام ہوا ہے تو گروہِ محدثین کی تحریک اہل حدیث کو ان کے اتباع اور تلامذہ کے دوش پر باضابطہ فروغ ملا ہے، نیز امام احمد بن حنبلؒ کے ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت کی اتباع کی برکت کی وجہ سے دنیا کے ایک خطے میں سر بلندی عطا کی ہے تو اس راہ سے بھی تحریک اہل حدیث کو معقول غذا فراہم ہوئی ہے، کیوں کہ دراصل امام احمد بن حنبلؒ کے اتباع تحریکِ اہلحدیث کے اتباع ہیں، یا کم از کم ان سے عقیدہ اور فقہی استدلال و استنباط میں قریب تر ہیں، اسی موافقت کی بنا پر دنیا کے مبصرین اور عالم اسلام کے خرائی اور سیاسی گروہوں نے سعودی حکومت کو سلفی حکومت سے تعبیر کیا ہے، لیکن فقہی مکاتب فکر کے دیگر گروہوں نے سعودی حکومت کو خالص حنبلی مسلک کا حامل قرار دینے میں اپنا سارا زور صرف کر رکھا ہے، تاکہ سلفیوں کی حمایت کا سلسلہ بند کرایا جاسکے، لیکن آج بحث و تحقیق کی دنیا میں اس طرح کی ناروا سازش اور ریشہ دوانی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

بہر صورت! گروہِ محدثین کی ذات پر صرف حفظ حدیث اور عدم تفقہ کے الزام کی دیوار مذکورہ بیان سے منہدم ہو جاتی ہے اور اگر اس کا کچھ حصہ پاش پاش ہونے سے باقی رہ گیا ہے تو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ذیل کے اس بیان سے چور چور ہو جاتا

ہے:

”وہذه الطبقة هي الطراز الأول من طبقات المحدثين فرجع المحققون منهم بعد احكامهم فن الرواية و معرفة مراتب الأحاديث الى الفقه فلم يكن عندهم من الرأي أن يجمع على تقليد رجل ممن مضى مع ما يرون من الأحاديث و الآثار المناقضة في كل مذهب من تلك المذاهب فأخذوا يتبعون أحاديث النبي ﷺ و آثار الصحابة و التابعين و المجتهدين على قواعد أحكموها في نفوسهم... كان عندهم أنه اذا وجد في المسألة قرآن ناطق فلا يجوز التحول منه الى غيره، و اذا كان القرآن محتملا لوجوه فالسنة قاضية عليه، فاذا لم يجدوا في كتاب الله أخذوا سنة رسول الله سواء كان مستفيضاً دائراً بين الفقهاء أو يكون مختصاً بأهل بلد أو أهل بيت أو بطريق خاصة، و سواء عمل به الصحابة و الفقهاء أولم يعملوا به.

و متی کان فی المسألة حدیث فلا یتبع فیها خلاف أثر من الآثار ولا اجتہاد أحد من المجتهدين“ ﴿حجة الله البالغة ج ۱ ص: ۱۴۹﴾
گروہ محدثین کا سب سے اعلیٰ طبقہ محققین اہل حدیث کا ہے جنہوں نے فن روایت میں پختگی اور مراتب حدیث میں پوری معرفت حاصل کر کے فقہ کی طرف توجہ کی، لیکن انہوں نے ماضی کے بزرگوں میں سے کسی خاص شخص کی تقلید پر اتفاق نہیں کیا، کیوں کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ہر مروجہ مذہب میں متناقض احادیث اور آثار موجود ہیں، اس لئے انہوں نے احادیث رسول اور آثار صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے قواعد و ضوابط کی روشنی میں غور و فکر کیا، اس سلسلے میں ان کا طریقہ یہ رہا کہ اگر زیر بحث مسئلے میں کوئی نص قرآنی مل جاتی تو پھر کسی دوسری چیز کی طرف توجہ نہ کرتے، اور اگر

تحریر: الحمد للہ کا تاریخی پس منظر ﴿۳۳﴾ <http://www.quransunnah.com>

نص قرآنی چند معانی کی محتمل ہوتی تو اس کا فیصلہ سنت رسول کے ذریعے فرماتے، اور اگر نص قرآنی نہیں پاتے تو سنت رسول کو لیتے، سنت چاہے درجہ مستفیض کی ہوتی، جس کا چلن فقہاء کے درمیان عام ہوتا یا کسی شہر یا کسی گھرانے یا کسی خاص طریقے سے معنوں ہوتی، جس پر صحابہ اور فقہاء نے عمل کیا ہو یا نہیں کیا ہو، انہیں ان امور سے کوئی بحث نہیں ہوتی۔

اور جب بھی پیش آمدہ مسئلے میں کوئی حدیث دستیاب ہو جاتی تو اس کے خلاف کسی اثر یا کسی مجتہد کے کسی اجتہاد کی اتباع نہیں کرتے۔

تیسرا مغالطہ اور اس کی تردید

تحریر: اہل حدیث کے خلاف فقہی مکاتب فکر نے لوگوں کے درمیان تیسری غلط فہمی یہ پھیلانے کی کوشش کی ہے کہ اس کے حاملین فروعی مسائل میں شدت اور اصولی مباحث سے تغافل برتتے ہیں۔

اس الزام کا جواب دو طریقے سے دینا بہتر ہے:

﴿۱﴾ کوئی بھی تحریک اپنے اصول و ضوابط پر قائم و دائم رہتی ہے اور اپنے اعمال و افعال اور کردار و گفتار سے پہچانی جاتی ہے، الحمد للہ تحریک اہل حدیث روز اول ہی سے اسلامی عقیدہ کی حامل اور اصلاح رسوم اور بدعات و خرافات کی تیج کنی پر قائم و دائم ہے، نہ یہاں شخصیت پرستی ہے، نہ ان کی ذات میں غلو ہے، اسی جرم میں انہیں ایک ٹولہ گستاخ رسول بھی کہتا ہے، نہ ان کے یہاں خانقاہی نظام کا چلن ہے، نہ تزکیہ و احسان کے نام پر تصوف کی باطنی تعلیمات سے ان کا دامن تاڑتاڑ ہے، اور نہ ان کے یہاں باطل رسوم اور بدعات و خرافات کے لئے کوئی جگہ ہے، نہ ان کے عقیدے میں کسی خلل کی کوئی گنجائش ہے، یہ دنیا کی تنہا تحریک اور جماعت ہے جس کے عوام اور علماء دونوں ہی

کتاب وسنت کے حامل ہیں، جب انہیں کتاب وسنت کی روشنی میں عقیدہ تو دور کی بات معمولی فقہی رائے کا علم ہو جاتا ہے تو وہ اس پر بلا چون و چرا عمل کرتے ہیں اور تقلیدی مکاتب فکر کی طرح جمود و تعطل کا شکار نہیں ہوتے، مثال کے طور پر ماضی قریب تک تحریک اہلحدیث ہند کے حاملین فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کیا کرتے تھے، لیکن جب تحقیق کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ دعا کی یہ کیفیت اللہ کے رسول سے ثابت نہیں ہے تو انہوں نے اسے بلا تردد چھوڑ دیا، اور تشہد کی حالت میں بالاستمرا شہادت کی انگلی کو حرکت دینا کتاب وسنت کی روشنی میں رائج رائے ہے تو انہوں نے اس پر بلا تردد عمل کرنا شرع کر دیا، راقم السطور کا بھی ان دونوں مسئلوں میں یہی حال ہے کہ سن شعور کو پہونچنے اور دینی تعلیم کی تکمیل کے بعد ان دونوں مسئلوں کی واقفیت ہوئی تو اپنا پرانا عمل یکنخت ترک کر دیا، کیوں کہ تحریک اہلحدیث کا اصل منشا کتاب وسنت کی اتباع اور ان کی روشنی میں رائج رائے کا اختیار کرنا ہے۔ چاہے وہ جس امام اور عالم دین کے ذریعے حاصل ہو۔

﴿ب﴾ فروعی مسائل کی ابلاغ و تبلیغ میں شدت کا جہاں تک تعلق ہے تو دراصل اسلام میں اصول و فروع کی تقسیم بعد کی پیداوار ہے، صحابہ اور قرون اولیٰ کے مسلمان اپنے ماں باپ اور علماء اور معلمین سے طہارت و نظافت، وضو، نماز و روزہ، حج و زکاة، اخلاق و عادات اور اسلامی عقیدہ کی تعلیم بلا اصولی اور فروعی تقسیم کے حاصل کیا کرتے تھے، اور اس پر عمل کرنے میں کوئی تفریق نہیں کیا کرتے تھے، کیوں کہ یہی طریقہ زیادہ آسان اور انسانی فطرت کے زیادہ قریب ہے، آج بھی عوام تو دور کی بات علماء تک کو بالخصوص اسلامی فرائض کے جملہ شروط و ارکان اور واجبات و سنن کا علم رکھنا مشکل ہے، لیکن ساتھ ہی اس حقیقت کا اعتراف کرنا ضروری ہے کہ اصول و فروع کی علمی تقسیم اعمال کی ادائیگی کی کوتاہیوں کے وقت افراد امت کے لئے آسانیاں لاتی ہے،

مثلاً نماز میں اگر کوئی شخص سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورہ پڑھنا بھول گیا تو اس سے اس کی نماز باطل نہیں ہوتی ہے، لیکن افسوس کہ اس راہ میں کچھ ایسی تقسیم بھی ہوئی جو شریعت کی روح کے تقاضے کو پوری نہیں کرتی، مثلاً بعض تقلیدی مکتب فکر کے نزدیک ”رکوع“ مجرد جھکنے کا نام ہے، اگر کوئی نمازی صرف جھک کر فوراً اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی، کیوں عربی زبان میں رکوع کا معنی مجرد جھکنا ہے، حالانکہ عربی زبان کی لغوی اور شرعی حیثیتوں میں شارع علیہ السلام نے فرق کیا ہے جس کا ملحوظ خاطر رکھنا امت اسلام کے لئے ضروری ہے، مثلاً صلاۃ کا لفظ عربی زبان میں دعا کے معنی میں آیا ہے لیکن کیا کوئی شخص ہاتھ اٹھا کر دعا کر لے تو اس کی نماز ادا ہو جائیگی، ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہے، لغوی رعایت کے ساتھ شارع علیہ السلام کے مقرر کردہ شرعی معنی کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

بہر صورت! فروعی مسائل میں شدت کی راہ شروع میں تقلیدی مکاتب فکر کی باہم معرکہ آرائی ہی سے شروع ہوئی، جیسے مذکورہ رکوع کے مسئلے ہی کو لیجئے کسی مکتب فکر کے نزدیک اس سے نماز باطل نہیں ہوتی اور کسی تقلیدی مکتب فکر کے نزدیک اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے کیوں کہ حالت رکوع میں تعدیل ان کے یہاں فرض ہے اور فرض کے ترک سے نماز کا بطلان لازم آتا ہے۔

تحریکِ اہلحدیث نے ان کے درمیان اس معرکہ آرائی کو ختم کرانے کی کوشش کی اور کر رہی ہے، وہ اس طرح کہ اس قسم کے مسائل میں نبی کریم ﷺ کے ارشاد کو حاکم مان کر اس خلیج کو پاٹ دیا جائے، ہاں اس راہ میں تحریکِ اہل حدیث کے بعض افراد کی جانب سے بھی شدت کا مظاہرہ ہوا ہے، اور آئندہ بھی ہوگا، کیوں کہ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جب اس پر کسی راہ سے حملہ کیا جائے تو وہ بھی امکان بھر حملہ کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہے، مثلاً تحریکِ اہل حدیث کے حاملین کو لاندہی، وہابی، ظاہر پرست،

اور گمراہ فرقہ جیسے تنازعہ بالالقباب سے نوزا گیا تو انہوں نے بھی اس راہ سے ان کی خبر لی، لیکن اس خبر لینے کی کمیت اور معقولیت دونوں ہی میں تقلیدی مکتب فکر سے وہ پیچھے ہیں۔ ابھی بساط ہند پر غازی پور، یوپی کے تقلیدی مکتب فکر کے ابھرتے ہوئے قائد اعظم مولانا ابوبکر غازی پوری کے حملے اس کی زندہ مثال ہیں، انہوں نے ”لامدہیہ“ ”غیر مقلدین کے مسائل“ وغیرہ کتابیں تحریر فرما کر اور ”مجلہ زمزم“ کے پلیٹ فارم سے جو کارنامے انجام دئے ہیں، اور دے رہے ہیں، شاید اس کی تلخیاں تا دیر تحریک اہلحدیث کے دلوں سے محو نہ کی جاسکے، وہ اس راہ سے تحریک اہل حدیث کو جتنی گالیاں دے چکے ہیں، اس کا عشر عشر بھی تحریک اہلحدیث کی جانب سے پیش نہ کیا جاسکا ہے، یہ تو ہوئی کمیت کی بات، اور جہاں تک معقولیت کا سوال ہے تو کوئی انصاف پسند صاحب دل غازی پور کے قائد اعظم کے حملے اور جامعہ سلفیہ بنارس کے آرگن میں ”سلفیت کا تعارف“ کے عنوان سے ڈاکٹر محمد رضاء اللہ کی دفاعی کاروائی کا موازنہ کرے تو حقیقت روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آجائیگی، قائد اعظم نے تو سلفیان برصغیر کو شیخ بن باز کو احتراماً! والدنا کہنے پر ان کی گھریلو زندگی پر حملہ کیا ہے، جس کے ذکر سے شرم و حیا کی قبا چاک ہو جاتی ہے، اور اسلامی اخلاق و آداب کا جنازہ نکل جاتا ہے، بلکہ اسلامی حدود و تعزیرات کی دیوار بھی متزلزل ہو جاتی ہے کہ ایسے بے تکے ہرزہ سرا کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟؟؟ الا ماں والحفیظ۔

راقم السطور طبعی اور ذاتی طور پر ایک ہی کلمے کے ماننے والوں کے درمیان اس طرح کی رد و قدح کو اسلامی اخلاق اور دعوتی مصالح کے خلاف سمجھتا ہے، لیکن ساتھ ہی علمی پیرائے میں حقیقت کے رخ سے پردہ اٹھانا دعوتی مصالح کا ایک حصہ سمجھتا ہے، اور تحریک اہل حدیث کی اکثریت اسی امر کی قائل، حامل اور عامل ہے، اور اس تحریک کے اصول و ضوابط کا بدیہی تقاضا بھی یہی ہے، لیکن انسانی طبائع مختلف واقع

ہوئے ہیں، ان میں نرم خوار و حلیم و بردبار اور شدت پسند اور جذباتی بھی واقع ہوئے ہیں، لہذا ان کے بعض افراد کی طرف سے تقلیدی مکتب فکر کی ہرزہ سرائیوں کا جواب دیدیا جاتا ہے تو یہ ایک فطری عمل ہے جسے روکا نہیں جاسکتا، لیکن باہمی کوشش اور تقاضا، ہم سے اسلامی تعلیمات کو حاکم مان کر اس خلیج کو پاٹا جاسکتا ہے، اور امت کو وحدت کی لڑی میں پرویا جاسکتا ہے:

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

گروہ محدثین کا بٹوارہ

دنیا میں باضابطہ اسلام کے نام پر فقہی مکاتب فکر کی تشکیل، اور شخصی تعصبات کی بنیاد پر مختلف پلیٹ فارموں کی تقسیم کے بعد جماعت محدثین بھی دو حصوں میں بٹ گئی، پہلے گروہ نے حسب سابق کتاب و سنت اور آثار صحابہ کی بنیاد پر اپنے مسائل کی تخریج و استنباط کو جاری رکھا، جس کی ایک جھلک گزشتہ سطور میں محققین محدثین کی ہر دور کی ایک فہرست سے دکھائی جا چکی ہے، اس کے برعکس محدثین کا دوسرا گروہ کسی نہ کسی تقلیدی مکتب فکر کا کسی حد تک یا بہت حد تک پابند ہو گیا، جیسے ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری شرح البخاری شافعی مکتب فکر، بدرالدین العینی صاحب عمدۃ القاری شرح البخاری حنفی مکتب فکر اور ابن العربی صاحب عارضۃ الحوذی شرح سنن الترمذی مالکی مکتب فکر کے تحت مسائل کی تنقیح و توضیح کرنے کے بہت حد تک عادی ہو گئے، لیکن ان کے یہاں پھر بھی قدرے توازن باقی رہا اور اگر کوئی اجتہادی مسئلہ صحیح حدیث کے

خلاف پڑتا تو وہ اس کی تردید کرنے والا اور اس کے ترک کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھتے، لیکن اس کے بعد کے ادوار میں تقلیدی مکاتب فکر کے گروہ محدثین پر تقلید و جمود کا رنگ گہرا ہوتا گیا، جیسے محمد زاہد الکوثریؒ اور استاذ گرامی عبدالفتاح ابوعدہؒ پر حنفی مکتب فکر اور استاذ گرامی ملا محمد خاطر الخلیل حفظہ اللہ محقق سبل السلام پر شافعی مکتب فکر کا، تاریخ کے اس دور میں بھی حسب سابق کتاب و سنت اور آثار صحابہ پر اپنی تحقیق اور مسائل کی توضیح کی بنا رکھنے والے گروہ محدثین نے اپنا کام جاری رکھا جیسے محمد علی شوکانی صاحب نیل الأوطار، محمد امیر صنعائی صاحب سبل السلام اور محمد ناصر الدین البانی صاحب الأحدث الصحیحۃ.. والآخر حدیث الضعیفہ والموضوعہ وغیرہم۔

تحریک اہل حدیث اور برصغیر

برصغیر ہندوپاک میں تحریک اہل حدیث کو سمجھنے کے لئے اسے تین تاریخی ادوار میں تقسیم کرنا مناسب ہے:

﴿۱﴾ پہلا دور: ۹۲ھ سے چوتھی صدی ہجری تک یا بعض تاریخی روایت کی بنیاد پر اس دور کا آغاز ۱۵۱ھ ہی سے ہوا۔

﴿۲﴾ دوسرا دور: چوتھی صدی ہجری سے لیکر تقریباً ۱۲۶۲ھ تک۔

﴿۳﴾ تیسرا دور: ۱۲۶۲ھ سے لیکر زمانہ حال تک۔

پہلا دور کتاب و سنت کے حقیقی سرچشمہ سے براہ راست سیراب ہوا اور اس دور میں مذہبی تعصب، خانقاہی لعنت اور شاہی جبر و استبداد کا رواج عام نہ ہو سکا تھا، دوسرے دور میں یہ تینوں معائب شریعت کے نام پر امت اسلام میں در کر آئے، تیسرے دور میں شاہی جبر و استبداد کے بجائے استعماری طاقتوں کے دباؤ نے مسلمانوں کے وقار اور عزت و ناموس کو خاک میں ملا دیا، اور اسکے ساتھ ہی دوسرے

دور کی طرح مذہبی تعصب اور خانقاہی نظام کا رواج عام رہا بلکہ اس میں دن دوئی اور رات چوگنی ترقی ہوئی۔

پہلا دور ﴿ ۱۵ھ یا ۹۲ھ تا چوتھی صدی ہجری ﴾

فتوح البلدان وغیرہ تاریخی کتب کی روایات کے مطابق اس دور کا آغاز خلافت فاروقی ہی میں تقریباً ۱۵ھ سے ہو گیا تھا، خلیج کی موجودہ دوریاستوں بحرین اور سلطنت عمان کے اُس وقت کے گورنر عثمان بن ابوالعاص اور ان کے بھائی حکم بن ابوالعاص اور مغیرہ بن ابوالعاص کی سرکردگی میں سندھ کے علاقے پر حملہ کیا گیا، اسلامی سپہ سالاروں کو کامیابی ہوئی اور انہیں بہت سا رمال غنیمت حاصل ہوا، لیکن زیادہ مشہور اور مستند تاریخی روایت کے مطابق اس امر کا آغاز ۹۲ھ سے ہوا، ہوا یوں کہ پہلی صدی ہجری میں بعض اسلامی بحری قافلوں کو بحری قزاقوں نے سندھ کے علاقے میں لوٹ لیا، اسلامی خلافت کی جانب سے اس زیادتی کی سرکوبی کے لئے سندھ کے راجہ داہر کو خط لکھا گیا، لیکن اس نے اس کا جواب ضد، ہٹ دھرمی اور انا سے دیا، لہذا جواباً اسلامی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم سے ان کے ایک گورنر حجاج بن یوسف ثقفی کی زیر سرپرستی اسلامی خلافت کے ایک نوجوان سپہ سالار محمد بن قاسم نے سندھ کے علاقے پر ۹۲ھ میں فوج کشی کی، جس کا سلسلہ ۹۵ھ تک جاری رہا، اس فوج کشی اور اسلامی جہاد کے نتیجے میں سندھ، ملتان اور قنوج کے علاقے اسلامی خلافت کے زیر نگیں آ گئے۔

میری سمجھ سے اللہ کے رسول کی ذیل کی پیشین گوئی اسی گروہ کے حق میں تھی، اللہ کے رسول کی اس پیشین گوئی اور اس قسم کی دوسری پیش گوئیوں کو آج کی تاریخ پر منطبق کی جانے کی کوشش کی جا رہی ہے، جو بہر صورت محل نظر ہے، اللہ کے رسول کی وہ پیش گوئی یہ ہے:

”عن ثوبان مولى رسول الله ﷺ عن النبي ﷺ ”عصابتان من أمتي أحرزهما الله من النار: عصابة تغزو الهند، و عصابة تكون مع عيسى ابن مريم عليها السلام“ ﴿النسائي و أحمد﴾

رسول اللہ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے رسول سے روایت کرتے ہیں کہ میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے محفوظ کر دیا ہے، ایک وہ گروہ جو سرزمین ہند پر غزوہ کریگا اور دوسرا وہ گروہ جو عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دیگا۔

یہ حدیث متکلم فیہ ہے، کیوں کہ اس کی سند میں بقیہ بن ولید مدلس راوی آتے ہیں اور دوسرے راوی ابو بکر زبیدی ہیں جو محدثین کے نزدیک مجہول الحال ہیں، لیکن شیخ البانی نے ان دونوں راویوں کی تدلیس اور جہالت کو اصول حدیث کی روشنی میں دور کر دیا ہے اور اس کی سند کو جید کہا ہے۔

﴿سلسلة الأحادیث الصحيحة.. ج ۴ ص: ۵۷۰- رقم الحدیث: ۱۹۳۴﴾

مطلع ہند پر اسلام کا یہ سورج براہ راست عربوں کے ہاتھوں طلوع ہوا تھا، جس کی روشنی اور ضیاء پاشی ہر طرح کی غیر اسلامی ملاوٹ سے پاک تھی، اس وقت تک مشہور تقلیدی مکاتب فکر کے کسی امام کی مسند درس و تدریس بھی نہ بچھی تھی، لہذا بدیہی طور پر توحید کے اس قافلے کے اتباع سرزمین ہند پر عالم اسلام کے دیگر خطوں کی طرح چار سو سالوں تک کتاب و سنت کے شیدا، حامل و عامل رہے، بالفاظ دیگر تحریک اہل حدیث کے خوگر اور ناشر رہے، سرزمین سندھ میں شاہ بدیع الدین کا عظیم کتب خانہ جو کتاب و سنت کی بیش بہا قدیم کتابوں سے لبریز ہے، اس کی زندہ مثال ہے۔



دوسرا دور ﴿ از چوتھی صدی ہجری تا ۱۲۶۲ھ ﴾

سلطان محمود غزنوی نے چوتھی صدی ہجری میں پے در پے ہندوستان پر حملے کیے، اور اس وقت تک عالم اسلام میں تقلیدی مکاتب فکر کا قدرے رواج ہو چکا تھا، خود سلطان حنفی مکتب فکر کے حامل و عامل تھے، وہ ایران اور افغانستان کی راہ سے آئے تھے، اور ان کی تعلیم و تربیت حنفی مکتب فکر کے ساتھ ایرانی تصوف پر ہوئی تھی، ظاہر ہے ”الناس علی دین ملوکہم“ کے تحت آہستہ آہستہ برصغیر کے لوگ تقلید اور تصوف کے گرویدہ ہوتے گئے، اور کتاب و سنت کی خالص تعلیم اس کے تلے دہتی چلی گئی، شخصی حکومتیں غزنوی، غوری، تیموری، تغلقی اور شیر شاہ سوری وغیرہ بدلتی رہیں، اور تقلیدی افکار، ایرانی تصوف نیز شیعیت کو کرسی اقتدار کے ذریعے غذا فراہم ہوتی رہی، لیکن تاریخ کے اس پورے دور میں حنفی مکتب فکر اور ایرانی تصوف ہندو جوگی پن کی آمیزش کے ساتھ عوامی اور حکومتی دونوں سطحوں پر غالب رہے، یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء میں مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

لیکن برصغیر کے بعض علاقے مالا بار موجودہ کیرالا، تامل ناڈو، کرناٹک اور مہاراشٹر پر عرب تاجروں کے ذریعے اسلام پہنچا، اور کیرالا میں صد فی صد اور دیگر علاقوں میں قدرے شافعی مکتب فکر کو رواج ملا، لیکن ایرانی تصوف اور ہندو جوگی پن کے اثرات نے ان علاقوں میں بھی پوری طرح اپنا کرشمہ دکھایا۔

لیکن تاریخ کے اس دور میں غوری عہد سلطنت میں دوسرے عہدوں کے مقابلے میں سلفیت کو پھلنے پھولنے اور آگے بڑھنے کا موقع ملا کیوں کہ سلطان شہاب الدین غوری ﴿ وفات: ۶۰۲ھ ﴾ اور ان کے بھائی سلطان غیاث الدین ﴿ وفات: ۵۹۵ھ ﴾ شافعی مسلک کے حامل رہے، لیکن ان کے یہاں تعصب نام کی چیز نہ تھی، اس لئے

سلفیت کو فروغ ملا، تحریک اہلحدیث کے بعض افراد نے انہیں سلفی حکام میں شمار کیا ہے، لیکن میری رائے میں امام سبکی کی رائے زیادہ قرین قیاس ہے کہ وہ حکام شافعی مسلک کے حامل تھے جن کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب ”الطبقات الکبریٰ للشافعیۃ“ ج ۸ میں کیا ہے۔

تاریخ کے اس تاریک دور میں بھی گروہ محدثین اور مجددین اسلام نے اسلامی تعلیمات کی شمع کسی نہ کسی طرح اپنے دوش پر روشن رکھی، جس کی وضاحت ان کی ذیل کی اس فہرست سے بخوبی ہو جاتی ہے:

۵۷۷ھ-۶۵۰ھ

شیخ رضی الدین صغانی لاہوری

۸۸۵ھ-۹۷۵ھ

شیخ علی متقی ہندی

۹۱۲ھ-۹۸۶ھ

شیخ محمد طاہر پٹنی گجراتی

۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

۹۷۱ھ-۱۰۳۲ھ

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی

۱۰۳۳ھ-۱۱۱۵ھ

سید مبارک محدث بلگرامی

۱۰۷۱ھ-۱۱۳۸ھ

میر عبد الجلیل بلگرامی

۱۱۲۰ھ-۱۱۶۲ھ

محمد فاخر الہ آبادی

۱۱۱۰ھ-۱۱۹۵ھ

مرزا مظہر جانجاناں

۱۱۱۰ھ-۱۱۷۶ھ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

۱۱۵۹ھ-۱۲۳۹ھ

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی

۱۲۰۱ھ-۱۲۴۶ھ

سید احمد بریلوی شہید

۱۲۰۳ھ-۱۲۴۶ھ

شاہ محمد اسماعیل شہید

۱۱۹۲ھ-۱۲۶۲ھ

شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی

لیکن اس گروہِ محدثین اور مجددِ دین اسلام پر تقلیدی مکتب فکر اور تصوف کا اثر کسی پر کم اور کسی پر زیادہ باقی رہا، اس اثر سے پوری طرح صرف شاہ اسماعیل شہیدؒ کی ذات گرامی محفوظ رہی، لیکن تاریخ کے جن تاریک ادوار میں ان محدثین و مجددین نے اسلامی تعلیمات کو زندہ رکھا، وہ بڑی عزیمت اور دل گردے کی بات تھی، خاص کر سید احمد سرہندیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے جس طرح سرزمینِ ہند میں اسلام کی پاسبانی کی ہے، اس کی مثال تاریخ اسلام میں کم ملتی ہے، اول الذکر شخصیت نے اپنی مجددانہ کوششوں سے اکبر کے قائم کردہ دینِ الہی کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا، یہ صحیح ہے کہ جب ان کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو دینِ الہی کا امام منچلا بادشاہ اکبر اس دنیا سے چل بسا تھا اور انہوں نے دو بدو اس کے دربار میں دینِ الہی کے خلاف آواز نہیں اٹھائی، لیکن انہوں نے اپنے شاگردوں کے دوش پر پورے ملک بلکہ ایوانِ شاہی میں بھی اس دینِ الہی کے خلاف ایک ایسی فضا قائم کر دی کہ درباری علماء اور شیعہ گروہ میں بھونچال آگیا اور انہوں نے آپ کو اذیت دینے کے لئے طرح طرح کی سازشیں کر کے اکبر کے بیٹے اور جانشین جہانگیر کے دربار میں بلوایا، شاہی آداب کے مطابق بادشاہ کو سجدہ تعظیمی کرنا تھا، لیکن آپ نے عزیمت کی راہ اختیار کی اور سجدہ سے انکار کر دیا:

گردن نہ جھکی جس کی جہاں گیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمیِ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے ہر وقت کیا جس کو خبردار

جس کی پاداش میں آپ کو تین سال کے لئے قلعہ گوالیار اور آگرہ کی کال کوٹھریوں میں بند کر دیا گیا، لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ جہاں جہاں ان کے قدم کے نشان پڑے

وہاں وہاں کی فضا ان کے حق میں ہموار ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ بادشاہ وقت بھی متاثر ہو کر ان کا ہمنوا ہو گیا اور اپنے باپ کے قائم کردہ دین الہی کے خلاف اقدام کرنا شروع کر دیا، اور پھر اس کے بیٹے شاہ جہاں اور اس کے پوتے عالم گیر نے دین الہی کی ناپاک سازش میں آخری کیل ٹھوک دی، اس سلسلے میں مجدد الف ثانی کے مکتوبات جو ملک کے گورنروں اور رئیسوں کو لکھے گئے تھے شاہد عدل ہیں۔

دوسری شخصیت شاہ ولی محدث دہلویؒ کی ہے جنہوں نے تقلید اور تصوف کے غلبے اور شاہانہ جبر و استبداد اور عیاشی و انارکی کے ماحول میں صویرا سرافیل بن کر باطل تصوف اور جامد تقلید کے خلاف ایسی آواز اٹھائی کہ خانقاہی نظاموں میں زلزلہ آ گیا اور جامد تقلید کے کنگوڑے ہل گئے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”و أشهد لله بالله ان كفر بالله أن يعتقد في رجل من الأمة ممن يخطي و يصيب أن الله كتب على أتباعه حتما و أن الواجب على هو الذي يوجه هذا الرجل و أن الشريعة الحقة قد ثبت قبل هذا الرجل بزمان“

﴿ تفہیمات، ج ۱ ص: ۲۱۱ بحوالہ تحریک آزادی فکر... ص: ۱۱۳ ﴾

میں اللہ کے نام کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ امت کے کسی ایسے آدمی کے بارے میں جو خطا اور صواب دونوں کا مرتکب ہو سکتا ہے، یہ اعتقاد رکھنا کہ اس کی اتباع واجب ہے، اور جسے یہ واجب کہے وہی امر واجب ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کے برابر ہے، کیوں کہ شریعت اس شخص سے کہیں پہلے سے موجود ہے۔

تیسری شخصیت سید احمد شہیدؒ کی ہے جنہوں نے مسلمانوں کی پستی کو دور کرنے اور ان کی عزت و ناموس کی پاسبانی کے لئے برصغیر میں پہلی اسلامی تحریک کی بنا ڈالی، اور اسی راہ میں اپنی جان قربان کر ڈالی:

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

ان کی شخصیت اور کارنامے کے بیان کے لئے دفتر چاہئے، جس کا یہ مقام نہیں، لہذا! یہاں پر ان کی املاء کردہ کتاب ”صراط مستقیم“ سے قارئین کے لئے صرف ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ سرزمین ہند میں وہ کس طرح کا نظام قائم کرنا چاہتے تھے، اور ان کے فکر و سازش کی پرواز کتنی بلند تھی، وہ فرماتے ہیں:

”حدیث صحیح کے بالمقابل کسی بھی مجتہد کی تقلید ہرگز مت کرو اور اہل حدیث کو اپنا پیشوا بناؤ، ان سے محبت و عقیدت رکھو، نیز تقلید از گردن خود دریافت انداخت، اپنی گردن سے تقلید پرستی کا فلادہ اتار پھینکو اور لشکر محمدی سے منسلک ہو جاؤ“

﴿ صراط مستقیم ج: ۶۳ بحوالہ ضمیر کا بحراں ج: ۳۹۱ ﴾

چوتھی شخصیت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی ہے جنہوں نے تحریر و تقریر اور میدان کارزار میں یکساں جوہر دکھلایا، تحریر میں ان کی کتاب ”تقویۃ الایمان“ تقریر کیلئے دہلی کی شاہی جامع مسجد کی ہر اینٹ اور تیر و سنان کے لئے مشہد بالا کوٹ کی مٹی گواہ ہے، مختصر مدت میں ان کی ان نوع بنوع خدمات کو دیکھ کر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ یاد آتے ہیں، اس کے علاوہ برصغیر کی موجودہ تحریک اہل حدیث انہی کی رہن منت ہے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

تیسرا دور ﴿ از ۱۲۶۲ھ تا حال ﴾

افسوس کے یہ دور دو حصوں میں تقسیم ہو گیا، حالانکہ مذکورہ بالا چاروں عظیم شخصیتوں کی کوششوں کا ثمرہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ برصغیر کے مسلمان ایک لڑی میں پرو جاتے، اور ان سے ملکی حالات و ظروف کا بھی یہی تقاضا تھا اور ہے، لیکن کسی بھی تاریخی عمل

کو ہماری چاہت اور اس پر ہمارا افسوس کناں ہونا نہیں روک سکتا۔

﴿۱﴾ پہلا حصہ یا گروہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح کتاب و سنت کا شید ہو گیا، اور ہر طرح کی تقلید اور تصوف کی باطنی تعلیمات سے کنارہ کش ہو کر مذکورہ چاروں عظیم شخصیتوں کی کوششوں کو اصولی طور پر عملی جامہ پہنایا، جس کا سہرا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے شاہ اسماعیل شہیدؒ، مسند ولی اللہ کی آخری یادگار سید نذیر حسینؒ بہاری ثم دہلوی، نواب صدیق حسن خاںؒ اور مولانا ولایت علی صادق پوریؒ کے سر بندھتا ہے۔ اس گروہ کے حاملین و داعین برصغیر میں باضابطہ تحریک اہلحدیث کے نام سے جانے پہچانے گئے، جس کی مثالی شخصیتوں میں ذیل کی شخصیتیں نہایت اہم ہیں:

☆ شاہ اسماعیل شہیدؒ صاحب ”تقویۃ الایمان“

☆ نواب صدیق حسن خاںؒ، صاحب تصانیف کثیرہ۔

☆ سید نذیر حسین محدث دہلویؒ، مسند ولی اللہ کے آخری جانشین۔

☆ ولایت علیؒ اور عنایت علیؒ صادق پوری تحریک جہاد کی نشاۃ ثانیہ کے قائدین۔

☆ محمد بشیر السہسوانی صاحب، ”صیانتہ الإنسان عن وسوسۃ الشیخ الدحلان“۔

☆ عبدالعزیز رحیم آبادیؒ صاحب ”حسن البیان“

☆ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ تحریک اہلحدیث کے مناظر قائد۔

☆ شمس الحق ڈیانویؒ صاحب ”عون المعبود شرح سنن ابی داؤد“۔

☆ عبدالرحمن مبارک پوریؒ صاحب ”تحفۃ الأحوذی شرح سنن الترمذی“

☆ عبید اللہ مبارک پوریؒ صاحب ”مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح“

☆ محمد حنیف بھوجیانویؒ صاحب ”التعلیقات السلفیہ علی سنن ابن ماجہ“ وغیرہم۔

﴿۲﴾ دوسرا حصہ یا گروہ سابق تقلیدی مکتب فکر اور قدرے تصوف سے ہم آہنگ رہا

جس کا نام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ احسان و تزکیہ رکھتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

”جس کی اصل حقیقت تزکیہ و احسان کے ماثور و شرعی الفاظ میں پہلے سے موجود تھی، اور جس کا عرفی و اصطلاحی نام بعد کی صدیوں میں تصوف پڑ گیا“

﴿تعمیر ملت، مفکر اسلام نمبر، ص: ۲۸، مجریہ ۱۰ جولائی تا ۲۵ اگست ۲۰۰۰ء﴾

بہر صورت اس گروہ کی مثالی شخصیتوں میں ذیل کی شخصیتیں نہایت اہم ہیں:

☆ محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند۔

☆ انور شاہ کشمیریؒ صاحب ”فیض الباری شرح البخاری“

☆ محمد خلیل سہارن پوریؒ شارح ”سنن ابوداؤد“

☆ اشرف علی تھانویؒ صاحب تصانیف کثیرہ۔

☆ شیخ الہند محمود الحسنؒ صاحب ”تحریر ریشمی رومال“

☆ محمد شبیر عثمانیؒ صاحب ”تفسیر القرآن“

☆ عبدالحی لکھنویؒ صاحب ”عمدۃ الرعایہ“

☆ محمد مفتی شفیعؒ صاحب ”معارف القرآن“

☆ محمد زکریا کاندھلویؒ صاحب ”أوضح المسالک شرح مؤطا امام مالک۔

☆ حبیب الرحمنؒ اعظمیؒ محقق کتب احادیث عدیدہ۔

☆ ابوالحسن علی ندویؒ صاحب تصانیف کثیرہ وغیرہم۔

تصوف اور خانقاہیت

پہلے دور کو چھوڑ کر دوسرے اور تیسرے ادوار میں اہل سنت والجماعت کے نام پر باطل تصوف اور خانقاہی نظام کا رواج عام رہا اور ہے، اور جسے حکومت وقت کی ہمیشہ سرپرستی حاصل رہی اور آج بھی ہے، اس سلسلے میں راہ تصوف کے سالک مولانا ابوالحسن علی ندویؒ خود ہی فرماتے ہیں:

”وہ پیشہ ور اور جاہ طلب و حقیقت فروش اور الحاد شعار اور فاسد العقیدہ، نام نہاد صوفی ہیں جنہوں نے دین میں تحریف کرنے، مسلمانوں کو گمراہ کرنے، معاشرہ میں انتشار پیدا کرنے، آزادی و بے قیدی کی تبلیغ کرنے کے لئے تصوف کو آلہ کار بنایا، اور اس کے محافظ و علمبردار بن کر لوگوں کے سامنے آئے، نتیجہ یہ ہوا کہ اہل غیرت و اہل حمیت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان سے بدظن ہو گئی، کچھ غیر محقق صوفی ایسے تھے جو اس شعبہ کی روح اور اس کے حقیقی مقاصد سے نا آشنا تھے، وہ مقصد و وسیلہ میں تمیز نہ کر سکے، بعض اوقات انہوں نے وسائل پر تو بہت اصرار کیا، اور مقاصد کو نظر انداز کر دیا، اور اس شعبہ یا اس فن میں ایسی چیزیں داخل کیں جن کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا اور اس کو فن کی روح اور اس کا کمال قرار دیا بلکہ مقصود و مطلوب سمجھ بیٹھے“

﴿ تزکیہ و احسان ج: ۱۵-۱۶ بحوالہ تعمیر ملت، مفکر اسلام نمبر ج: ۲۸، مجریہ ۱۰ جولائی تا ۲۵ اگست ۲۰۰۰ء ﴾

تمدن، تصوف، شریعت، کلام ☆ بتانِ عجم کے پجاری تمام!
حقیقت خرافات میں کھو گئی ☆ یہ امت روایات میں کھو گئی
وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد ☆ محبت میں یکتا، حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا ☆ یہ سالک مقامات میں کھو گیا

برصغیر میں تحریک اہلحدیث کی باضابطہ تشکیل

گزشتہ ابواب کے بیان سے بخوبی واضح ہو گیا کہ یہ تحریک کوئی نئی تحریک نہیں ہے۔ بلکہ کتاب و سنت کی وہی تحریک ہے جو عہد نبوی اور عہد صحابہ سے چلی آرہی ہے۔ لیکن برصغیر میں قرون اولی کے بعد کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت اور تحریک اہلحدیث کی باضابطہ تشکیل کی تاریخ کا آغاز بارہویں صدی ہجری سے ہوا۔ جس میں

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ﴿۱۱۱۲ھ - ۱۱۷۶ھ﴾ کی تدریسی اور تحریری خدمات اور کارناموں کا بڑا عمل دخل رہا۔ گرچہ حالات و ظروف نے ان پر تصوف کا رنگ باقی رکھا۔ جیسا کہ ان کی اپنی کتاب، ”تفہیمات الہیہ“ اور دیگر کتابوں میں یہ فرمانا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے کہ میں اپنے زمانے کا امام اور مجدد ہوں۔ اور لوگوں کو میری اتباع کرنی چاہیے۔ اس طرح کی باتیں کشف والہام کے حاملین ہی کیا کرتے ہیں جو تصوف کی منزلوں میں سے ایک منزل ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

،، ونشأ فی قلبی داعیۃ من جهة الملاء الاعلیٰ علی تفصیلہا أن مذهب أبی حنیفۃ والشافعی هما مشہوران فی الأمة المرحومة و هما أكثر المذاهب تبعوا وتصنیفا“

﴿تفہیمات ج ۱ ص ۲۱۲۔ منقول از تحریک آزادی فکر... ص ۱۳۰/۱۳۱﴾
ملاء اعلیٰ کی طرف سے میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی دونوں ائمہ کے مذاہب امت میں مشہور ہیں۔ اور کثرت اتباع اور کثرت تصنیف کے لحاظ سے بھی معروف ہیں۔

،، لما تمت بی دورة الحکمة ألبسني الله خلعة المجددية

فعلمت علم الجمع بین المختلفات“

﴿تفہیمات: منقول از اتحاف النبلاء ج ۲ ص ۴۳۰﴾

جب میرا دورہ حکمت و معرفت پورا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے مجددیت کی خلعت سے سرفراز فرمایا۔ پس مجھے اختلافی مسائل میں جمع و تطبیق کا علم حاصل ہو گیا۔

لیکن ان کی مساعی جمیلہ اور تقلید شخص کے بجائے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کی فقہی اقوال میں جمع و تطبیق کی دعوت سے برصغیر میں عمل بالکتاب والسنہ کی بنیاد پڑ گئی۔ آگے چل کر جس بنیاد پر دو شخصیتوں نے کتاب و سنت کی حسین و جمیل عمارت کھڑی کی اور

اسی کا نام موجودہ تحریکِ اہل حدیث ہند ہے۔

﴿۱﴾ پہلی شخصیت شاہ محمد اسماعیل شہید ﴿ش: ۱۸۳۱ء﴾ کی جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے ہیں اور جنہوں نے دہلی۔ لکھنؤ اور سرحد و کشمیر کے دروبام۔ میدانی علاقوں اور سنگلاخ پہاڑوں پر جہاد کا نعرہ بلند کرنے کے ساتھ وہاں کے باسیوں کے اندر کتاب و سنت کی روح پھونک دی۔ اس نسبت سے ان کے قافلہ میں چاہے نہ چاہے۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر کتاب و سنت کے متوالوں کو محمدی کے نام سے پکارا جانے لگا۔ بلکہ انہوں نے اس سے پہلے ہی کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت کے لئے ایک جماعت کی بنا ڈال دی تھی چنانچہ مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں:

،، جب مولانا محمد اسماعیل شہید نے حجۃ اللہ البالغہ امام عبدالعزیز سے پڑھی تو اپنے جد امجد کے طریقہ پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنی ایک خاص جماعت بھی تیار کی جو حجۃ اللہ البالغہ پر عمل کرے۔ یہ لوگ شافعیہ کی طرح رفع یدین اور آمین بالجہر کرتے تھے۔ جیسا کہ سنن میں مروی ہے۔ اس سے دہلی کے عوام میں شورش پھیلتی رہی مگر حزب ولی اللہ کا کوئی عالم مولانا اسماعیل شہید اور ان کی جماعت پر معترض نہ ہو سکتا تھا۔ ﴿شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک طبع ثانی ص ۱۰۵ بحوالہ اہلحدیث اور سیاست ج: ۵۹﴾ خود سید احمد بریلوی شہید اپنے قافلہ سے فرماتے:

”حدیث صحیح کے بالمقابل کسی بھی مجتہد کی تقلید ہرگز مت کرو اور اہل حدیث کو اپنا پیشوا بناؤ، ان سے محبت و عقیدت رکھو، نیز تقلید از گردن خود دریافت انداخت، اپنی گردن سے تقلید پرستی کا قلاوہ اتار پھینکو اور لشکر محمدی سے منسلک ہو جاؤ“

﴿صراطِ مستقیم ج: ۶۳ بحوالہ ضمیر کا بحر ا ج: ۳۹۱﴾

﴿۲﴾ دوسری شخصیت سید نذیر حسین محدث دہلوی کی ہے جنہوں نے نصف صدی تک شاہ ولی اللہ کی مسند تدریس پر فائز رہ کر کتاب و سنت کی شمع بر صغیر کے ہر علاقے میں

بلکہ بیرون ملک تک روشن کردی۔

ان دونوں بزرگ ہستیوں کے ارشد تلامذہ کے دلوں میں ایک اجتماعی پلیٹ فارم کے قیام کا جذبہ ہمیشہ کارفرما رہا۔

سیدنذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد رشید مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس جماعت کے افراد کو ہندوستان پر قابض فرنگیوں کے چنگل اور جبر و استبداد سے نکالنے اور بچانے کے لئے حکومت وقت کے نزدیک وہابی نام کے بجائے اہل حدیث نام انتخاب کر کے پیش کیا۔ کیونکہ فرنگیوں۔ ہندوؤں اور خود جماعت کے مخالف مسلمانوں نے اس جماعت کا رشتہ نجد کی وہابی تحریک سے جوڑ کر اس کو تیغ و بن سے اکھاڑنا چاہا کہ فرنگیوں کے نزدیک وہابی کا لفظ باغی کے ہم معنی تھا۔

لیکن اس جماعت کی اعلیٰ پیمانے پر باضابطہ تشکیل کی دو کوششیں ہوئیں۔ پہلی کوشش کے بارے میں مولانا محمد فضل الرحمن سلفی لکھتے ہیں:

،، مولانا ﴿ عبدالعزیز رحیم آبادی ﴾ مرحوم اگر ایک طرف تبلیغ اور مسلک عمل بالحدیث کی نشر و اشاعت میں مشغول تھے تو دوسری طرف جماعت کو ایک لڑی میں پیرو کر رکھنے کی بھی فکر میں تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جب بھی اس دور کے علمائے کرام کسی مقام پر اکٹھا ہوئے تو اس اہم مسئلہ پر بحث و تمحیص ضرور ہوتی اور اس کی صورتوں پر غور ہوتا۔ اس سلسلہ میں اس وقت جبکہ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس قائم نہیں ہوئی تھی۔ ایک اجتماع مدرسہ احمدیہ آ رہ میں اتفاقی طور پر ہو گیا۔ تو وہیں یہ مسئلہ چھیڑا گیا۔ اور آخر یہ طے پایا کہ سردار جماعت کا انتخاب ہونا چاہئے۔ چنانچہ حضرت مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب آروی باتفاق سردار منتخب کر لئے گئے۔ اس انتخاب کا تعلق تنظیم جماعت سے تھا۔ تحریک مجاہدین کی طرف سے امیر الگ موجود تھے..... مولانا آروی مرحوم جب ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو جس طرح مدرسہ احمدیہ کے اہتمام کا کام

مولانا کو سونپ گئے یہ سرداری بھی حوالہ کر گئے۔ اس لئے مولانا آروی کے بعد اس ذمہ داری کو انجام دیتے رہے..... یہاں تک کہ مولانا مرحوم خود اپنے رب سے جا ملے

﴿مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی حیات و خدمات ص: ۵۵-۵۶﴾

دوسری کوشش کے روح رواں ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری ہوئے جنہوں نے اپنے ہفت روزہ اخبار،، اہلحدیث“ کے ذریعے بابا رجاعت کے افراد خاص کر علماء کو جماعت کی تنظیم کی دعوت دی۔ جیسے اخبار کے مجریہ ۵/ اکتوبر ۱۹۰۶ء کے اندر آپ نے تحریر فرمایا:

،، اگر آپ حضرات اس تحریک کے مؤید ہیں تو بہت جلد اس کے متعلق اپنی آراء سے مطلع فرمائیں تاکہ آہ کے جلسہ میں جو ماہ شوال میں ہونے والا ہے۔ جس میں علماء اہل حدیث کی خاصی جمعیت ہوتی ہے یہ تجویز پیش ہو کر پاس ہو جائے اور مناسب قواعد و ضوابط تیار ہو کر اہلحدیث کانفرنس کی بنیاد رکھی جائے۔“

﴿دستور اساسی مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند ص ۵﴾

اس دعوت پر بلیک کہتے ہوئے جماعت کے ربانی علماء نے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور بھرپور الفاظ میں تائید کی۔ جیسے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی نے لکھا:

،، ۲۶/ اکتوبر ۱۹۰۶ء کے اخبار اہلحدیث میں آپ نے اعلان فرمایا: پرچہ اہلحدیث میں کانفرنس کا مضمون میں نے دیکھا میں اور میرے احباب اس میں متفق ہیں بلاشبہ اچھی تجویز ہے۔ جناب حافظ عبداللہ صاحب کو بھی اتفاق ہے۔ جناب شاہ عین الحق صاحب اور مولوی عبدالحکیم صاحب بھی علی ہذا القیاس اتفاق کریں گے والسلام“ ﴿مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی حیات و خدمات ص: ۵۸﴾

اور مولانا ابوالقاسم سیف بنارس نے تحریر فرمایا:

،، اہلحدیث کانفرنس کی بابت جو رائے قرار پائی ہے اس کے ساتھ میں بھی اتفاق کرتا

ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کا اچھا اثر بخشے نہایت خوشی کی بات یہ ہے کہ جلسہ مذاکرہ علمیہ آ رہ بھی عنقریب ہے۔ اس اہل حدیث کانفرنس کا انعقاد اس جلسہ میں ضرور بالضرور ہونا چاہئے۔ ورنہ اس سے اچھا موقع پھر نہیں ملے گا۔ ﴿ اہلحدیث ۱۲ / دسمبر ۱۹۰۶ بحوالہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی حیات و خدمات ص: ۵۵-۵۶ ﴾

اس طرح جماعت کی باضابطہ تنظیم و تشکیل کے لئے جب ہر طرف سے تائید ہوئی تو اس کے لئے مدرسہ احمدیہ آ رہ کے مذاکرہ علمیہ کے جلسہ کو مناسب سمجھا گیا جو ۲۲-۲۳ دسمبر ۱۹۰۶ء کو منعقد ہونے والا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد فضل الرحمن سلفی لکھتے ہیں:

۲۲، ۲۳ دسمبر ۱۹۰۶ء جلسہ مذاکرہ علمیہ کے انعقاد کی تاریخ مقرر ہوئی تھی۔ اس موقع پر ہندوستان کے تمام چوٹی کے علمائے اہلحدیث کا اجتماع ہوا۔ اور باتفاق آراء کانفرنس کی تجویز منظور ہو گئی۔ اور حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے۔ اسی مجلس میں پورے ہندوستان میں تنظیم جماعت کی ذمہ داری تین افراد پر ڈالی گئی۔ جس کے میرکارواں مولانا ﴿ عبدالعزیز رحیم آبادی ﴾ مرحوم تھے۔ باقی دو افراد مولانا ثناء اللہ صاحب اور مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی تھے“

﴿ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی حیات و خدمات ص: ۵۹ ﴾

اور مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے دستور اساسی کے مقدمہ میں اس کاروائی کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

،، اس تحریک کی پرزور تائید ہوئی اور آخر ماہ دسمبر ۱۹۰۶ء مدرسہ احمدیہ آ رہ صوبہ بہار کے سالانہ جلسہ کے موقع پر، اہل حدیث کانفرنس“ نام کی ایک مجلس منعقد ہوئی۔ جس میں، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس“ کی تاسیس عمل میں آئی۔ اور فخر الامثال۔ بقیۃ السلف۔ امام۔ علامہ حافظ عبداللہ غازی پوری کانفرنس کے صدر اور نازش مسلک سلف۔ شیر پنجاب حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری ناظم مقرر ہوئے۔ اور ایک

باضابطہ پروگرام کے تحت تبلیغی دورے شروع ہوئے اور دین خالص کی نشر و اشاعت کا کام جاری ہوا۔ اور الحمد للہ ان کی جدوجہد بار آور ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششیں مشکور فرمائیں۔ اس سے مسلک سلف اور تحریک اہل حدیث کو بڑا عروج و فروغ حاصل ہوا۔

﴿ دستور اساسی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ص: ۵ ﴾

دعوت کا کام جلسہ مذاکرہ علمیہ اور آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے پلیٹ فارم سے عوامی سطح پر ہوتا رہا۔ لیکن شومی قسمت کہ مدرسہ احمدیہ آرہ جو جماعت کا سب سے پہلا باضابطہ علمی ادارہ ۱۸۸۰ء میں قائم ہوا تھا۔ ناگفتہ بہ حالات کی بنا پر بند ہو گیا۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی نے اسے درجہ نگہ منتقل کر کے احمدیہ سلفیہ میں ضم کر دیا۔ جو آج تک دارالعلوم احمدیہ سلفیہ لہریہ سرانے درجہ نگہ کے نام سے علمی فریضہ انجام دے رہا ہے۔ ساتھ ہی سلف کی یادگار مذاکرہ علمیہ کا جو جلسہ آرہ میں ہوا کرتا تھا وہ بھی یہاں منتقل ہو کر دعوت کا فریضہ انجام دینے لگا۔ جس کا جلسہ آج بھی ہر تین سال پر ہوا کرتا ہے۔

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کو دہلی کی جماعت کے اکابر تجار سے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ جن میں جناب عبدالرحمن اور عطا الرحمن برادران خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا نے ان کے سامنے دہلی میں جماعت کے ایک مرکزی ادارے کے قیام پر زور دیا جو ان کی وفات ﴿ ۱۹۱۸ء ﴾ کے بعد دہلی کے محلہ ہندوارہ میں دارالحدیث رحمانیہ کے نام سے ۱۹۲۱ء میں قائم ہوا۔

اس تیز گامی سے جماعت کے دعوتی اور علمی کام پر بھرپور طریقے پر انجام پاتے رہے کہ ۱۹۴۷ء میں ملک دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ملک کی ہر چیز ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گئی۔ انسانی جانوں کی ہلاکت و بربادی کے ساتھ اداروں اور تنظیموں کی بنیادیں بھی

اہل گئیں اور برسوں ان کے اندر استقرار نہ آسکا۔ تحریک اہلحدیث بھی بدیہی طور پر اس تاریخی عمل کا بری طرح شکار ہوئی۔ تحریک کے بانی اور مناظر قائد ابوالوفاء ثناء اللہ کا پریس۔ اکلوتا بیٹا عطا اللہ۔ کتب خانہ۔ اہل حدیث اخبار سب کچھ فساد یوں کی نذر ہو گیا۔ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ جو تحریک کا مرکزی ادارہ تھا وہ بھی بند ہو کر غیروں کے قبضہ میں چلا گیا۔ اور اس کا کتب خانہ جامعہ ملیہ دہلی کو منتقل ہو گیا۔ محدث وقت شمس الحق ڈیانوی کی حویلی میں علاقے کے مسلمانوں نے پناہ لی۔ ان کے کتب خانے کے اوراق کو پناہ گزینوں نے اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے بطور جلاوطن استعمال کیا۔ باقی ماندہ سرمایہ بعد میں چل کر پٹنہ کی خدابخش لائبریری کا حصہ بنا۔ پتہ نہیں اس طرح کے کتنے زخم جماعت کو لگے۔ زخم بھرتے بھرتے برسوں لگ گئے کہ علامہ عبدالوہاب آروی کی رہنمائی میں تحریک کے غیور علماء نے ان ٹوٹے دلوں۔ زخم خوردہ سینوں اور بکھرے دانوں کو سمیٹنے کی کوشش کی۔ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا اجلاس ہونا شروع ہوا۔ جس میں ۱۹۶۱ء کے نو گڈھ کا اجلاس جماعت کی نشاۃ ثانیہ کے لئے سنگ میل ثابت ہوا۔ اس کی قراردادوں کا سب سے عمدہ شمرہ جامعہ سلفیہ بنارس ہے۔ جس کی بنیاد ۱۹۶۳ء میں پڑی اور تعلیم کا آغاز ۱۹۶۶ء میں ہوا۔ کانفرنس کے مختلف اجلاسوں میں جماعتی تنظیم کے لئے لائحہ عمل مرتب کیا گیا۔ دعوتی اور علمی کاموں کے فروغ کے لئے کوششیں کی گئیں۔ وقت کے تقاضے کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کانفرنس کو مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کا نام دیدیا گیا۔ جمعیت کے دستور اساسی کے مقدمہ میں درج ہے:

”تنظیم اور تسہیل کار کے لئے گاہے بگاہے یہ ضرورت محسوس ہوتی رہی کہ دستور جمعیت میں ضروری حذف و اضافہ یا ترمیم ہو۔ اسی ضرورت کے پیش نظر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے اجلاسہائے مجلس عاملہ منعقدہ ۱۸-۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء بمقام دہلی۔ اجلاس منعقدہ ۲۲-۲۶ نومبر ۱۹۶۲ء بمقام دہلی۔ اجلاس منعقدہ ۳۰ اگست ۱۹۷۱ء بمقام

بنارس اور اجلاس منعقدہ ۱۲-۱۳ اپریل ۱۹۷۷ء بمقام دہلی میں کئی بار ترمیمات پیش ہو کر منظور ہوئیں۔ اس دوران آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کو، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، سے موسوم کیا گیا اور انھیں خطوط پر کام چلتا رہا۔“

﴿دستور اساسی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند- ص: ۶﴾

اب اس نئے نام اور دستور کے مطابق پورے ہندوستان میں جمعیت کا کام ہونے لگا۔ دہلی میں اس کا مستقل دفتر۔ جریدہ ترجمان۔ مکتبہ ترجمان اور دیگر شعبہ جات اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ الحمد للہ الممتہ۔

نئے تقاضوں اور بڑھتی ہوئی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ارباب جماعت نے ابوالفضل انگلو۔ نئی دہلی میں نئے کمپکس کی تعمیر شروع کر دی ہے جو ابھی تشنہ تکمیل ہے اور اہل خیر کے نظر کرم کی منتظر ہے۔

ملک کی تقسیم کے بعد اسی طرح کی کوشش پاکستان میں ہوئی۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ اور اس پلیٹ فارم سے مولانا محمد حنیف ندوی۔ مولانا سید داؤد غزنوی۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی اور دیگر ربانی علماء کی کوششوں سے جامعہ سلفیہ فیصل آباد کا سنگ بنیاد اپریل ۱۹۵۵ء میں رکھا گیا۔ ۱۹۵۷ء میں فیصل آباد کی اہل حدیث جامع مسجد میں اس کی تعلیم کا عارضی آغاز ہوا۔ اور ۱۹۵۸ء میں اس ادارے کو اسکی اصل بلڈنگ میں منتقل کر دیا گیا۔

گویا اس طرح تقسیم ہند کے بعد تحریک کے متوالوں نے تحریک کے دیگر کاموں کے ساتھ ساتھ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے دو بدل جامعہ سلفیہ بنارس اور جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی شکل میں اپنی نئی پود کی آبیاری کے لئے پیش کر دئے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں علمی باغوں۔ ان کے نو نہالوں اور کارناموں کو قائم دائم رکھے۔ آمین۔

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا ☆ جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

تحریک اہل حدیث کا مسلک

درحقیقت دور نبوی اور دور صحابہ کے بعد آہستہ آہستہ امت اسلام میں دین کی سمجھ اور تعلیم و تربیت کے لئے تین بنیادی فنی طریقے رائج ہونے لگے:

﴿۱﴾ عقیدہ براہِ علم کلام ﴿۲﴾ فقہی مسائل براہِ ائمہ ﴿۳﴾ تصوف بنام تزکیہ و احسان۔

﴿۱﴾ عقیدہ براہِ علم کلام

یونانی علم کلام سے متاثر ہو کر اسلام کے دعویداروں نے اسلامی عقیدہ کو تعقل کی راہ سے سمجھنا چاہا، نتیجہً قدریہ، مرجیہ، معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ جیسے گمراہ فرقوں کا وجود عمل میں آیا، اور وہ دین اسلام سے خارج ہو گئے۔

اہل سنت والجماعت کے نام سے جن اہل اسلام نے عزیمت کی راہ اختیار کی، ان کے یہاں بھی اُشعریت اور ماتریدیت کی راہ سے اسلامی عقیدہ میں تعقل پسندی نے اپنا اثر دکھلایا۔

جو فرقے اپنی فکری آوارگی اور تعقل پسندی کی وجہ سے دین اسلام سے خارج ہو گئے، راقم السطور ان پر کچھ لکھنا اپنی بات کو طول دینا سمجھتا ہے، ہمارے جن قارئین کو ان گمراہ فرقوں کی حقیقت جاننے سے دلچسپی ہو وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی ”منہاج السنۃ“ شہرستانیؒ کی ”الممل والنحل“ اور ابن حزمؒ کی ”الفصل“ وغیرہ کتابوں کی طرف رجوع کریں، ویسے بھی ان فرقوں کا وجود ان ناموں سے معدوم ہو چکا ہے، اور معدوم شئی کے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں، ہاں ہمارے اردو قارئین اس سلسلے میں قادیانیت، بریلویت، اور شیعیت وغیرہ پر لکھی گئی کتابوں سے اپنی عقل و فکر کو غذا بخش سکتے ہیں۔ اُشعری اور ماتریدی دونوں فرقوں کی تعقل پسندی کا اثر اہل سنت والجماعت

کے بعض گروہوں پر رہا ہے اور قدرے اب بھی باقی ہے، اس لئے ان کی قدرے وضاحت کر دینا ضروری ہے۔

﴿۱﴾ اشعری:

اشعری فرقے کے بانی خواجہ ابو الحسن اسماعیل بن علی الاشعری ہیں، جن کا سلسلہ نسب نو پشتوں سے ابو موسیٰ الاشعریؒ سے جاملتا ہے، ان کی ولادت بمقام بغداد ۳۳۰ھ میں ہوئی، یہ دراصل فکرِ اعتزال کے حامل تھے، انہوں نے تقریباً چالیس سال تک رئیس المعتزلہ ابو علی جبائی سے علم کلام کی تعلیم حاصل کی، لیکن توفیق الہی سے فکرِ اعتزال سے تائب ہو کر اہل سنت والجماعت سے آملے، اور عقلی دلائل سے معتزلہ اور اس جیسے گمراہ فرقوں کی تردید میں اپنے علم کلام کا سارا زور صرف کیا۔

گرچہ انہوں نے اپنے تئیں ہر ممکن کوشش کی کہ عقیدہ کے باب میں سب سے اہم شخصیت امام احمد بن حنبلؒ کی پیروی کریں، جیسا کہ انہوں نے اس امر کا دعویٰ اپنی کتاب ”الابانۃ عن اصول الدیانۃ“ میں کیا ہے، جو حال ہی میں سعودی عرب سے شیخ بن بازؒ کی تقریظ کے ساتھ شائع ہوئی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کوشش کے باوجود چالیس سالہ اعتزالانہ زندگی کے بعض اثرات ان پر باقی رہے، ان کے علم کلام کے عقلی دلائل کو بدیہی طور پر اہل سنت والجماعت کے درمیان بڑا فروغ ملا، علامہ غزالیؒ صاحب ”احیاء علوم الدین“ اور علامہ رازیؒ صاحب ”التفسیر الکبیر“ جیسے فلسفہ و حکمت کے عباقرہ روزگار نے ان کی فکر کو غذا بخشی، مجاہد الاسلام سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی سطوت و جلال نے ان کی فکر کو پروان چڑھایا، اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ تینوں شخصیات شافعی مکتب فکر کی حامل تھیں۔

﴿ب﴾ ماتریدی:

اس فرقے کے بانی منصور بن محمد بن محمد ہیں، جو خواجہ ابو الحسن الاشعری کے ہم عصر

ہیں، سمرقند کی ایک بستی ”ماتریدہ“ میں پیدا ہوئے، اور علم کلام میں کمال حاصل کیا جو مسلک حنفی تھے، انہوں نے بھی معتزلہ اور اس جیسے دیگر گمراہ فرقوں کی تردید میں اپنا پورا زور کلام صرف کیا، لیکن ان کی فکر کو غذا بخشنے کے لئے علامہ غزالیؒ اور علامہ رازیؒ جیسی شخصیات پیدا نہ ہو سکیں، اور نہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ جیسی قوت و سطوت کی انہیں حمایت حاصل ہو سکی، لہذا! اشاعرہ کی طرح ماتریدہ یہ کو فروغ نہ مل سکا۔

حاصل کلام یہ کہ ان دونوں ماہرین علم کلام نے اہل سنت والجماعت کے پلیٹ فارم سے اسلام کے نام پر پیدا ہونے والے گمراہ فرقوں کی تردید عقل و برہان کی روشنی میں خوب خوب کی، لیکن بعض مسائل میں تعقل پسندی کے شکار ہو گئے، یہاں پر راقم السطور صرف اس قبیل کی ایک مثال دیکر اپنی بات آگے بڑھائیگا۔

عقیدے کے باب میں ”الاستثناء“ کی بحث اہل علم کے نزدیک بہت ہی معروف و مشہور ہے، یعنی شافعی مکتب فکر کے یہاں ”أَنَا مُؤْمِنٌ أَنْ شَاءَ اللَّهُ“ میں ان شاء اللہ مومن ہوں کہنا درست اور صحیح ہے، اس لئے کہ ایمان کا اصل اعتبار خاتمہ بالخیر پر ہے، کیوں کہ اگر کوئی شخص اپنی وفات کے پہلے ایمان کا منکر ہو گیا تو وہ مومن نہ رہا، اس کے برعکس حنفی مکتب فکر کے نزدیک ”أَنَا مُؤْمِنٌ أَنْ شَاءَ اللَّهُ“ کہنا درست نہیں ہے، کیوں کہ ایک مومن یہ جملہ کہہ کر اپنے ایمان میں شک پیدا کرتا ہے، اور ایمان میں شک پیدا کرنا حرام ہے، بلکہ ترک ایمان کو دعوت دینا ہے، ان دونوں آراء کے بیچ کی رائے کتاب و سنت سے زیادہ قریب ہے وہ یہ کہ جس نے اپنے ایمان کو مشیت الہی کے تابع ہونے کی نیت سے یہ جملہ کہا تو درست ہے، اور اگر کسی نے شک کی نیت سے یہ جملہ کہا تو غلط ہے، اس بیچ کی راہ کو عقیدہ کے باب میں تحریک اہلحدیث نے اختیار کیا، اور امام احمد بن حنبلؒ کے مسئلہ اثبات اور عدم تفویض کو گلے سے لگایا کہ جو امر کتاب اللہ اور سنت رسول میں جس طرح ذکر ہوا ہے، اسے بلا کسی تحریف و تعطیل، تشبیہ و تمثیل

اور تجسیم کے مان لیا جائے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”الرحمن علی العرش استوی“ ﴿ط: ۵﴾ یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔

استواء کی کیفیت معلوم نہیں، ہاں اللہ کی ذات بلند و بالا ہے، اس کے متعلق یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ عرش پر پر مستوی اور متمکن ہے، کیوں کہ اس کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول سے کوئی دلیل نہیں، بلکہ شرعی نصوص اللہ کی علویت اور عرش پر مستوی ہونے کو واضح کرتی ہیں۔

اس سلسلے میں ”مذہب السلف اُسلم و مذہب الخلف اُعلم“ کہنا یعنی سلف صالحین کا مذہب زیادہ درست اور صحیح ہے اور متاخرین کا مذہب علم و عرفان کا زیادہ حامل ہے، ایک موہوم، خیالی اور امت اسلام کو دھوکہ میں ڈالنے والی بات ہے، اس لئے کہ جو چیز زیادہ درست اور صحیح ہے اسی کی اتباع میں امت اسلام کی اصلاح و نجات ہے، اور اللہ کے رسول کی حدیث ”خیر القرون قرنی... ہمیں اسی امر کی تعلیم دیتی ہے، اور امام مالک بن انس کا یہ قول ”لن یصلح آخر هذه الأمة الا بما صلح به اولها“ اس امت کے متاخرین کی اصلاح اسی امر یعنی کتاب و سنت سے ہو سکتی ہے جس کے ذریعے سلف صالحین کی اصلاح ہوئی تھی۔

اگر متاخرین کے علم کو سلف صالحین کے علم سے اعلیٰ و ارفع مان لیا جائے تو اس سے ان کے علم کی توہین لازم آتی ہے۔

لہذا حق اور درست بات یہ ہے کہ سلف صالحین کے مذہب کے اُسلم کی طرح ان کا علم بھی اُعلم تھا۔

﴿۲﴾ فقہی مسائل از راہ اُئمہ

فقہی مسائل کی تفہیم و تفریع کے لئے امت اسلام کے مشہور و معروف فقہی مکاتب فکر نے اصول و ضوابط مقرر کئے، جنہیں ”علم فقہ“ کی دنیا میں ”اصول فقہ“ کے نام

سے یاد کیا جاتا ہے، جیسے:

﴿۱﴾ حنفی مکتب فکر کے یہاں ”اصول الشاشی“ اور اس جیسی دیگر کتابیں۔

﴿۲﴾ مالکی مکتب فکر کے یہاں ”تنقیح الفصول“ اور اس جیسی کتابیں۔

﴿۳﴾ شافعی مکتب فکر کے یہاں ”الرسالۃ“ اور اس جیسی دیگر کتابیں۔

﴿۴﴾ حنبلی مکتب فکر کے یہاں ”روضۃ الناظر“ اور اس جیسی کتابیں۔

اور ہر مکتب فکر نے اپنے ان مقرر کردہ اصولوں پر فقہی مسائل کی تفریع کی اور ”فن فقہ“ میں بڑی بڑی کتابیں لکھیں جیسے:

﴿۱﴾ الہدایۃ اور اس جیسی دیگر کتابیں فقہ حنفی میں۔

﴿۲﴾ المدونۃ الکبریٰ اور اس جیسی کتابیں فقہ مالکی میں۔

﴿۳﴾ المجموع شرح المہذب اور اس جیسی کتابیں فقہ شافعی میں۔

﴿۴﴾ المغنی اور اس جیسی دیگر کتابیں فقہ حنبلی میں۔

گرچہ ان مکاتب فکر نے فقہی مسائل کی تفریع کے وقت اصل مأخذ کتاب و سنت ہی کو بنایا، لیکن اس راہ میں ان کے اصولوں کے خلاف کوئی ارشاد رسول پڑا تو اس کی تاویل کردی یا اسے منسوخ مان لیا، اس راہ میں حنفی مکتب فکر نے دیگر مکاتب فکر کے مقابلے میں اپنا کچھ زیادہ ہی زور صرف کیا، حتیٰ کہ ان کے بعض بڑے فقیہوں نے یہاں تک کہہ دیا ”کل آیت أو حدیث یخالف ما علیہ أصحابنا فهو مؤول أو منسوخ“، یعنی ہر وہ آیت قرآنی اور حدیث نبوی جو ہمارے مکتب فکر کے خلاف ہو وہ یا تو مؤول یا منسوخ ہے۔

یہ قول حنفی مکتب فکر کے مشہور و معروف اصولی فقیہ امام کرنی کا ہے، لہذا! راقم السطور یہاں پر اسی مکتب فکر کے اصولوں پر تفریع کیا گیا ایک مسئلہ بطور مثال قارئین کی خدمت میں پیش کریگا، جس سے انہیں اس امر کا صحیح اندازہ ہو سکے گا:

حنفی مکتب فکر کے فقہ کا ایک اصولی قاعدہ ہے: ”الخاص لا یکتمل البیان لکونہ پینا“، یعنی جو لفظ خاص ہو وہ کسی بیان کا محتاج نہیں کیوں کہ وہ خود واضح ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”ارکعوا واسجدوا“ میں وارد الفاظ رکوع اور سجدہ خاص ہیں، اور جن کے معانی واضح ہیں یعنی رکوع کے معنی جھکنا اور سجدہ کے معنی پیشانی زمین پر ٹیکنا، لہذا اگر کوئی شخص حالت نماز میں رکوع کرتے ہوئے صرف جھک گیا اور سجدہ کرتے ہوئے اپنی پیشانی کو صرف زمین سے ٹچ کر دیا تو اس کے رکوع اور سجدے دونوں ارکان ادا ہو گئے، تعدیل یعنی رکوع اور سجدہ کو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنا ضروری نہیں، لہذا تعدیل کو نماز کے ارکان کے ساتھ ملحق کرنا درست نہیں، اس کے برعکس امام شافعیؒ کے نزدیک تعدیل رکوع اور سجدہ کی طرح نماز کا ایک رکن ہے، کیوں کہ اس سلسلے میں اللہ کے رسول نے نماز کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا ہے:

”ثم اركع حتى تطمئن راكعاً، ثم ارفع حتى تستوي قائماً،

ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً، ثم ارفع حتى تطمئن جالسا“

﴿البخاری و مسلم﴾

پھر تم اطمینان سے رکوع کرو، پھر اچھی طرح سر اٹھا کر کھڑے ہو جاؤ، پھر اطمینان سے سجدہ کرو، پھر اطمینان سے سر اٹھا کر بیٹھ جاؤ۔

یہ اسی حدیث کا ایک حصہ ہے جس میں اللہ کے رسول نے ایک اعرابی کو جلدی جلدی نماز ادا کرنے پر تنبیہ فرمائی تھی:

”ارجع فصل فانک لم تصل“ ﴿البخاری و مسلم﴾

لوٹ کر پھر نماز پڑھو کہ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں

نیز اللہ کے رسول اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

”لا تجزي صلاة لا یقیم فیہا الرجل صلبہ فی الركوع و

﴿السجود﴾ صحیح الجامع.. رقم الحدیث: ۷۲۲۵

آدمی کی وہ نماز مقبول نہیں ہے جس میں اس نے رکوع اور سجدہ کے درمیان اپنی پیٹھ کو سیدھی نہ کی۔

گرچہ حنفی مکتب فکر کے مقابلے میں دیگر فقہی مکاتب فکر کے یہاں کتاب و سنت کی نصوص کی تاویل و تنسیخ کی مثال کم ملتی ہے یا نہیں ملتی، کیوں کہ درحقیقت قرون اولیٰ کے آخری دور تک دو ہی مکاتب فکر کا وجود عمل میں آسکا تھا، ایک اصحاب الحدیث اور دوسرے اہل الرائے، اصحاب الحدیث میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ آجاتے تھے، بعد میں چل کر ان کے شاگردوں نے ان کے یا اپنے مقرر کردہ اصولوں کی روشنی میں مسائل کی تفریع کی کثرت دکھلائی، لیکن گروہ محدثین اور اہل حدیث نے قرون اولیٰ کی طرح ہمیشہ کتاب و سنت کو حرز جاں بنائے رکھا، اور اس راہ میں خاص مروجہ فقہی اصول و قواعد کی پرواہ نہ کی، بلکہ براہ راست کتاب و سنت سے حسب ضرورت مسائل کا استنباط و استخراج فرمایا، لیکن ساتھ ہی فقہی مکاتب فکر کے اماموں کا بہر طور احترام ملحوظ خاطر رکھا، اور ان کی آراء اور اصول و ضوابط سے بہر امکان استفادہ کیا، نیز اس راہ کی ہر اس کوشش کو گلے سے لگایا جو مذہبی تعصب سے ہٹ کر اعتدال پسندی، کتاب و سنت کی اشاعت اور وحدت امت کے لئے کسی بھی پلیٹ فارم سے کی گئی، جیسے اصول فقہ میں ”ارشاد الفحول الی تحقیق علم الاصول لمحمد علی الشوکانی“ ”اصول الفقہ لمحمد خضریٰ بک“ ”مذکرۃ فی اصول الفقہ للشیخ علی“ اور تیسیر الاصول لحافظ ثناء اللہ الزاہدی، اور تاریخ تشریع اسلامی میں ”تاریخ التشریع الاسلامی لمحمد خضریٰ بک“ اور ”الوجیز فی اصول التشریع الاسلامی للدکتور محمد حسن ہیتو“ اور علم فقہ میں ”بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد لابن رشد، الروضۃ الندیۃ لنواب صدیق حسن خاں اور فقہ السنۃ للسید سابق وغیرہ۔

﴿ ۳ ﴾ تصوف بنام تزکیہ و احسان

تزکیہ و احسان کی راہ سے دینی بصیرت و معرفت کے حصول کی خاطر تصوف کا فن ایجاد ہوا، اس کے سالکین نے دعویٰ کیا کہ

”تصوف ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن جن حضرات کو اس کے صحیح حاملین اور اس راہ کے معتبر اور صحیح رہنماؤں کی صحبت و زیارت کی توفیق نہیں ہو سکی ان کے سامنے تصوف کی اصطلاح ایک معمہ اور چیتا بن کر رہ گئی“

”تصوف و سلوک ایک الہامی نظام ہے“

”یہ وہ شعبہ ہے جس کا تعلق قال سے کم اور حال سے زیادہ ہے، یہ شنیدن سے زیادہ چشیدن ہے“

”اس گروہ کی افادیت اور اس کی خدمات سے انکار یا تو وہ شخص کریگا جس کی تاریخ اسلام پر نظر نہیں یا جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہے“

﴿ تعمیر ملت: مفکر اسلام نمبر ص: ۲۸/۲۹/۳۰ مجریہ: ۱۰ جولائی تا ۲۵ اگست ۲۰۰۰ء ﴾

علامہ اقبالؒ جیسے دور اندیش نے انہی کی زبان میں بات کی، یا انہوں نے ان کی زبان میں بات کی:

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موجِ نفس ان کی

الہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو

ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

اب راقم السطور اس الہامی نظام اور حال و قال کی حقیقت کو جاننے کے لئے تاریخ اسلام پر نظر ڈالنا چاہتا ہے تاکہ آنکھوں پر بندھی تعصب کی پٹی کھل جائے اور تزکیہ و احسان کے نور سے شاید دل منور ہو جائے۔

تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ ایران و عراق اور جزائر و مصر کی راہ سے دوسری صدی ہجری میں اسلام کے نام پر تصوف کو غذا ملنی شروع ہوئی، لیکن اس فن کی باضابطہ تشکیل قرونِ اولیٰ کے بعد ہوئی، جس کی وضاحت تصوف کے مشہور و معروف سلسلوں کے بانی سالکین کی تاریخ پیدائش اور ان کی اس راہ کی کوششوں یا ان کے شاگردوں کی کوششوں سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

امتِ اسلام میں اس راہ کے چھ سلسلے زیادہ معروف و مشہور ہیں، پھر ان کی سیکڑوں شاخیں بطور خانقاہی نظام عالمِ اسلام بلکہ دنیا کے خطے خطے میں قائم ہیں، راقم السطور ان میں سے صرف چھ مشہور اور بنیادی سلسلوں پر قدرے روشنی ڈال کر اپنی بات کو آگے بڑھائے گا:

﴿ ۱ ﴾ سلسلہ قادریہ

یہ سلسلہ عبدالقادر جیلانی کی طرف منسوب ہے، اور جن کے تصوف و تقشف کی بساط سرزمینِ بغداد سے شروع ہو کر دنیا میں پھیل گئی، وہ سنتِ الہی کے مطابق ۵۶۱ھ میں وفات پا کر وہیں مدفون ہوئے، قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ یہ حنبلی مسلک کے حامل تھے، لیکن ان کے تزکیہ و احسان سے زیادہ تر حنفی مسلک کے ماننے والے مستنیر ہیں، گویا اس راہ میں فقہی مکتب فکر کے وجوب کی بندش توڑ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلکہ ایک سالک کے لئے اس راہِ سلوک پر چلنا بہتر و اولیٰ اور اصل دین و ایمان ہے۔

﴿ ۲ ﴾ سلسلہ نقشبندیہ

اس سلسلے کے بانی بہاء الدین محمد بن احمد فاروقی ہیں، جن کے تزکیہ و احسان کا چشمہ سمرقند و بخاری سے جاری ہوا اور جس سے ترکیا، ترکستان اور ہندوستان کے صاحب دلوں نے اپنے دلوں کو خوب خوب روشن کرنے کا دعویٰ کیا ہے، ان کی وفات

۹۱ھ میں ہوئی۔

﴿ج﴾ سلسلہ سہروردیہ

اس سلسلے کے بانی عمر بن محمد شہاب الدینؒ ہیں سہرورد میں پیدا ہوئے اور بغداد میں ۶۳۲ھ میں وفات پائی، یہ شافعی مسلک کے حامل تھے اور بغداد ہی کی سرزمین سے ان کے وجد و حال کی کیفیات کی کرشمہ سازیاں شروع ہوئیں۔

﴿د﴾ سلسلہ رفاعیہ

اس سلسلے کے بانی ابو العباس احمد الحسنؒ ہیں، عراق میں پیدا ہوئے اور اسی کی ایک بستی ”ام عبید“ میں ۵۷۸ھ میں وفات پائی، یہ بھی شافعی مسلک کے حامل تھے، اور ان کے تزکیہ و احسان کی چادر بھی پہلے پہل عراق کی زرخیز سرزمین پر بچھی، اور جس کی روشنی آہستہ آہستہ عالم عرب میں خاص کر اور دنیا کے دیگر خطوں میں عام طور پر پھیل گئی۔

﴿ه﴾ سلسلہ تیجانیہ

اس سلسلے کے بانی ابو العباس احمد فتنہ مالکی کے حامل تھے، ان کی ولادت جزائر میں ہوئی، اور ان کے وجد و حال اور تزکیہ و احسان کا براۓ عظیم افریقہ کے عربی ممالک میں خاص طور سے چرچا ہے، ان کی وفات ۱۲۳۰ھ میں ہوئی۔

﴿و﴾ سلسلہ چشتیہ

اس سلسلے کے بانی برصغیر کے مشہور و معروف ولی نظام الدین اولیاءؒ یعنی ولیوں کے ولی ۱۲۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۲۵ھ میں وفات پائی، یہ سلطان الاولیاء کے لقب سے ملقب ہوئے، اور انہی کے نام کی بستی نظام الدین میں ان کا مزار ہے۔
فنِ تصوف کے یہ سارے سلسلے چٹھی صدی ہجری اور اس کے بعد تزکیہ و احسان اور زہد و استغنا کے نام پر باضابطہ قائم ہوئے، اور جس نے کشف و کرامات، مراقبہ و الہام،

وحدة الوجود، وحدة الشهود اور فنا فی اللہ وغیرہ متصوفانہ اصطلاحوں کے ذریعے خلق خدا کے باطنی اصلاح کا بیڑا اٹھانے کا دعویٰ کیا۔

جب دوسری صدی ہجری کے اخیر میں امت کے کچھ افراد نے یونانی، ایرانی، ہندی جوگی پن اور یہود و نصاریٰ کی راہبانہ زندگی سے متاثر ہو کر اس راہ پر قدم رکھنا شروع کیا تھا تو امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی دور رس نگاہوں نے اس کے خطرناک پہلوؤں کو بھانپ لیا تھا، اور اس سے امت کو دور رہنے کی تلقین اور اس راہ پر گامزن ہونے کو حماقت و سفاہت سے تعبیر فرمایا تھا: چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

”لو أن رجلاً تصوف أول النهار لا يأتي الظهر حتى يصير أحق“
اگر کسی نے شروع دن میں صوفیانہ زندگی اختیار کر لی تو وہ دوپہر تک احمق ہو جائیگا۔

”ما لزم أحد الصوفيين أربعين يوماً فعاد عقله“

جس کسی نے متواتر چالیس دن تک کسی صوفی کی صحبت اختیار کی تو اس کی عقل دوبارہ لوٹ کر نہیں آئے گی۔

اور امام السنہ احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

”حذروا من الحارث أشد التحذير، الحارث أصل البلبلة يعني في حوادث كلام جهم، ذاك جالس فلان و فلان و أخرجهم الى رأى جهم مازال مأوى أصحاب الكلام، حارث بمنزلة الأسد المرابط انظر أي يوم يشب على الناس“

﴿الفكر الصوفي في ضوء الكتاب و السنة. ص: ۲۸۳/۲۸۴﴾

حارث صوفی سے جہاں تک ہو سکے بچو، کیوں کہ وہ مصیبت کی جڑ ہے، جہم بن صفوان کے کلام کے حوادث کا شکار ہے، دیکھتے نہیں کہ فلاں اور فلاں اشخاص اس کے ہم جلس ہیں، جس نے ان کو جہم بن صفوان کی رائے کا پابند بنا دیا ہے، جواب تک علم کلام والوں

کامیابی و مامی ہے، حارث کی مثال گھات میں رہنے والے شیر کی ہے، دیکھو وہ کس دن حملہ کرتا ہے۔

امامانِ رشد و ہدایت کے ان تحذیری بیانات کے باوجود اوہام و وساوس اور خیالی دنیا کے صیادوں نے اپنی کمین گاہوں سے سادہ لوح مسلمانوں کے شکار کا عمل جاری رکھا، اور روز بروز اس میں ترقی ہوتی گئی، یہاں تک کہ چھٹی صدی ہجری تک فنِ تصوف کے مستقل سلسلے قائم ہو گئے، جس کا قدرے بیان اوپر ہو چکا ہے، پھر اس میں مزید ترقی ہوئی، اس کے لئے باضابطہ خانقاہیں قائم ہونے لگیں، سجادہ نشینی اور گدانشینی کے دور کا آغاز ہوا، اسلام میں ایک ہی خلیفہ کی بیعت مشروع تھی، لیکن فنِ تصوف کے ہر سلسلے کی جانب سے سیکڑوں خلفاء مقرر کئے جانے لگے، اور ان کی بیعت مشروع قرار پائی، اس میں ایک قدم اور ترقی ہوئی اور بزرگانِ دین کی قبروں پر حاضری اور ان سے استفادے کا سلسلہ شروع ہوا، وہاں سے تبرکات کی تقسیم اور مومئے مبارک کی رونمائی کا سلسلہ جاری ہوا، ہر بزرگ کی وفات پر ان کی خانقاہ میں واقع قبر پر سالانہ عرس کا نظام قائم کیا گیا، بخشی اور اس قسم کی دیگر جنرتیوں کو دیکھئے تو سال کے اکثر و بیشتر دنوں میں کسی نہ کسی بزرگ کے عرس کی تاریخ مقرر کی گئی ہے۔

افسوس کہ جو قوم حرکت و عمل اور دنیا کی امامت و قیادت اور لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث کی گئی تھی، وہ عرسوں اور میلوں ٹھیلوں میں الجھ کر اپنی توانائیوں کو صرف کرنے لگی، دنیا کی حکومتوں نے عموماً ان کا ساتھ دیا اور دے رہی ہیں تاکہ وہ اطمینان سے دنیا پر اپنی مرضی کے مطابق حکومت کر سکیں۔

اس امر کے لئے کتاب و سنت سے دلیلیں ڈھونڈھ نکالی گئیں، جیسے:

”واعبد ربک حتی یأتیک الیقین“ ﴿الحجر: ۹۹﴾

اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔

اس آیت کے اندر واقع ”الیقین“ کا معنی موت ہے یعنی اے محمد آپ ہر حال میں اپنے رب کی عبادت و ریاضت میں لگے رہیے اور دشمن اسلام کی بھتیوں کی پرواہ نہ کیجیے، یہاں تک کہ موت آجائے لیکن صوفیا کی اصطلاح میں اس لفظ کا معنی دل کی راہ سے عیبی مشاہدہ ٹھہرا، جس کا نام شریعت میں قرآن کی معنوی تاویل و تخریف ہے۔

”أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَانْهَ عَنْ يَدَاكَ“ ﴿مسلم﴾
اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر ایسا نہ کر سکو تو بہر حال وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اس ارشاد نبوی کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی عبادت بندہ نہایت خشوع و خضوع اور اتقان و اخلاص کے ساتھ کرے یہی احسان اور حسنِ عبادت ہے۔ لیکن صوفیا کی اصطلاح میں اس کا معنی نور بصیرت کے ذریعے مشاہدہ حق کا متحقق ہونا قرار پایا۔

اس یقین اور نور بصیرت نے صوفیا کے دلوں پر علوم و اخبار غیبیہ کا الہام کرنا شروع کر دیا، اس طرح کشف و مراقبہ کے ذریعے تصور شیخ، توجہ الی الشیخ، وحدۃ الشہود اور وحدۃ الوجود تک معاملہ پہنچ گیا، شاہد و مشہود ایک ہو گئے، ہر چیز اللہ ہو گئی اور اللہ ہر چیز ہو گیا، لہذا اس بنیاد پر ”أَنَا الْحَقُّ“ میں ہی اللہ ہوں، ”مَا نِي حَقِّي إِلَّا اللَّهُ“ میرے جبے میں ماسوا اللہ کے کچھ نہیں ہے، اور ”سُبْحَانِي مَا أَعْظَمُ شَأْنِي“ میرے سبحان میری شان کتنی عظیم ہے وغیرہ کے نعرے خانقاہوں سے بلند ہونے لگے۔ العیاذ باللہ

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
تیرے دین و ادب سے آرہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری
عشق مجازی اور عشق حقیقی کی اصطلاحیں گرہمی گئیں، اجداد مردخو برو حسین و جمیل

نوخیز نو جوانوں کو دیکھنا عشق مجازی ٹھرا اور پھر اس کے ذریعے عشق حقیقی یعنی اللہ کی ذات تک رسائی حاصل کی گئی، اس امر کی حقیقت کو جاننا ہو تو جلالی و رومی اور نظیری و فردوسی اور اس راہ کے دیگر شعراء کے فارسی کلام کو پڑھیے، قارئین کے تواضع کی خاطر راقم السطور اس باب سے فارسی کے دو تین اشعار ان کی نذر کرنا چاہتا ہے:

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا ☆ بخالِ ہندوشِ خشمِ سمرقند و بخارا را
اگر وہ شیراز کا ترکی خوب رو لڑکا ہمارے دل کو ہاتھ آجائے تو میں اس کے ایک تل کے بدلے سمرقند و بخاری کی سلطنت بخشنے کو تیار ہوں۔

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیرمغاں گوید

کہ سالک بے خبر نہ بود راہ و رسم منزلہا

اگر پیرمغاں یعنی گرو گھنٹال پیر و مرشد تجھے جائے نماز کو شراب سے آلودہ کرنے کو کہے تو کر ڈال، کیوں کہ وہ راہِ تصوف کا ایسا سالک ہے جو تصوف کی تمام منزلوں کی راہ و رسم سے بخوبی واقف ہے۔

تو وطوبی ما بقامت یار ☆ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

تجھے جنت مبارک ہو مجھے تو اپنے محبوب کی قد و قامت کا حسن و جمال ہی چاہیے، ہر شخص کی فکر اس کی ہمت کے اندازے سے ہوتی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے بھی انہی کی زبان میں بات کی:

یہ جنت مبارک رہے ز اہدوں کو

کہ میں آپ کا سا منا چاہتا ہوں

کیوں کہ دراصل ان کی شاعری کا خمیر مغربی فلسفہ کے بعد ایرانی تصوف کی راہ سے ہی تیار ہوا تھا، گرچہ امت اسلام کے درد و سوز اور ان کے کلام کی بلندی نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک نیا پیغام اور جوش و ولولہ عطا کیا، لیکن ان کے کلام میں تصوف کی

گل کاری باقی رہی۔

الحمد للہ گروہ محدثین کی راہ پر گامزن تحریکِ اہل حدیث نے ان تینوں راہوں ﴿۱﴾ عقیدہ میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کی تعقل پسندی ﴿۲﴾ فقہی مسائل میں تقلید ﴿۳﴾ فن تصوف میں کشف و مراقبہ کے الہامی نظام سے گریز کیا، اور خالص کتاب و سنت پر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح اپنے عقیدہ و عمل کی طرح ڈالی، جس کا نام مسلکِ تحریکِ اہل حدیث ہے، اس جرم میں اسے مختلف پلیٹ فارموں سے غدروہ و فائی اور کفر و شرک کی گالیاں دی گئیں، جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے:

غدارِ وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن
انگریز سمجھتا ہے مسلمان کو گداگر
پنجاب کے ارباب نبوت کی شریعت
کہتی ہے کہ مومن پارینہ ہے کافر

حالانکہ انہوں نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ ان کے پیش نظر کتاب و سنت کی یہ واضح نصوص موجود ہیں:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ، فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا“ ﴿النساء: ۵۹﴾
اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ کی اطاعت کرو! اور اولیاء الامر کی، پھر کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی طرف لوٹا دو! اگر تمہیں اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان و یقین ہے، یہ بہت بہتر اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

”وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم، ومن يعص الله ورسوله فقد ضلّ ضلالاً مبيناً“ (الأحزاب: ۳۶)

اور دیکھو! کسی مومن مرد و عورت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، یاد رکھو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کریگا وہ صریح گمراہی میں پڑیگا۔

”أوصيكم بتقوى الله عز وجل والسمع والطاعة، و ان تأمر عليكم عبد حبشي، فانه من يعش منكم فسيري اختلافاً كثيراً، فعيكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضوا عليها بالنواجذ، و اياكم و محدثات الأمور فان كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة“ (الترمذي)

میں تمہیں تقویٰ الہی اور سماع و طاعت کی وصیت و نصیحت کرتا ہوں، اگر کوئی حبشی غلام بھی تم پر امیر مقرر کر دیا جائے تو اس کی اطاعت کرو! کیوں کہ جو تم میں سے زندہ رہیگا وہ بڑے بڑے اختلاف دیکھے گا، تو اس وقت میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑے رہنا، اسے دانتوں سے مضبوطی سے تھام لینا، اور دینی امور میں پیدا شدہ نئی بدعتوں سے بچتے رہنا، اس لئے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

”ألا و أن من قبلکم من أهل الكتاب افرقوا علی ثنتين و سبعين ملة، و ان هذه الملة ستفرق علی ثلاث و سبعين، ثنتان و سبعون في النار و واحدة في الجنة وهي الجماعة“ (الترمذي)

آگاہ ہو جاؤ! تم سے پہلے اہل کتاب بہتر ملتوں اور فرقوں میں بٹ گئے، اور یہ ملت

تحریر: محمد سعید علی شاہ <http://www.quransunnah.com> ﴿۷۳﴾

عنقریب تہتر ملتوں اور فرقوں میں بٹ جائیگی، ان میں سے ایک ہی فرقہ جنتی ہوگا اور وہی جماعت ہے۔

افسوس کہ اس شیوہ احتیاط اور کتاب و سنت کی پیروی کے نیک جذبے کے باوجود اپنوں نے بھی برہمنوں، انگریزوں اور ارباب نبوت کی شریعت کے شیدائیوں سے قدرے ہٹ کر اور لہجہ بدل کر تحریک اہل حدیث کے حاملین کو عطار اور خود کو جوہری بتا یا، انہیں گستاخ رسول اور خود کو محب رسول ٹھرایا، بلکہ انہیں دین اسلام سے خارج کرنے کی کوشش کی گئی، اور خود نصوص کتاب و سنت کی تاویل و تفسیر کر کے ملت اسلام کے پاسباں ٹھہرے۔

قربان جائیے ان کے ذوق تحقیق اور جستجوئے حق پر کہ حق کو ناحق اور ناحق کو حق کر دکھایا، علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:

گر نہیں ہے جستجوئے حق کا تجھ میں ذوق و شوق

”امتی“ کہلا کے پیمبر کو رسوا نہ کر !!!

ہے فقط توحید و سنت امن و راحت کا طریق

فتنہ و جنگ و جدل ”تقلید“ سے پیدا نہ کر

تحریر: محمد سعید علی شاہ

اس موضوع پر دو حیثیتوں سے گفتگو کرنا بہتر ہے:

﴿۱﴾ تحریک جہاد ہند اور نجد کی اصلاحی تحریک ﴿۲﴾ تحریک اہل حدیث ہند اور نجد کی اصلاحی تحریک۔

﴿۱﴾ تحریک جہاد ہند اور نجد کی اصلاحی تحریک

یہ دونوں اسلامی تحریکیں دو مختلف مقامات اور ظروف و حالات کی پیداوار ہیں، نجد

تحریر: الحمدیث کا تاریخی پس منظر ﴿۷۴﴾ <http://www.quransunnah.com>

کی اصلاح و تجدید کے قائد شیخ الدعوة والارشاد محمد بن عبد الوہابؒ ۱۲۰۶ھ میں دنیا سے چل بسے، اور تحریک جہاد ہند کے قائد سید احمد شہید بریلویؒ ﴿۱۲۰۱ھ-۱۲۳۶ھ﴾ کی پیدائش ان کی وفات سے صرف پانچ سال پہلے ہوئی، لہذا دونوں عظیم شخصیتوں کی ملاقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، سید احمد شہیدؒ اپنے رفقاء اور تلامذہ کے ساتھ ۱۲۳۷ھ میں حج بیت اللہ سے فارغ ہوئے، اس سے پہلے یعنی ۱۲۲۷ھ میں شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کی تحریک کے شیدائیوں کو ترکوں اور مصریوں نے انگریزوں سے ساز باز کر کے حرمین سے نکال باہر کیا تھا، ان کے لیے ان مقامات مقدسہ میں قیام کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا، توحید کے ان متوالوں کے خلاف صرف سیاسی حربے استعمال نہ کئے گئے، بلکہ ترکی اور مصری اور دیگر مقامات کے ان کے ہم خیالوں نے انہیں مرتد اور کافر ٹھرایا، برصغیر کے علماء کی اکثریت کا بھی یہی حال تھا، ایسے ظروف و حالات میں ایک تحریک کا دوسری تحریک سے متاثر ہونا تاریخی اور عقلی دونوں ہی اعتبار سے کم از کم محل نظر ضرور ہے، لہذا! بعض قدیم و جدید مؤرخین کا ایک تحریک سے دوسری تحریک کا رشتہ جوڑنا بے معنی سی بات ہے، نیز سید احمد شہیدؒ کی تحریک کا بنیادی مقصد جہاد تھا، اور نجد کی تحریک کا بنیادی مقصد توحید کی تعلیم عام کرنا تھا، چنانچہ سید احمد شہیدؒ کے تمام ”مکتوبات“ میں اشارے کنائے اور اصطلاحی زبانوں میں جہاد کی ترغیب موجود ہے، جب کہ شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کی ”کتاب التوحید“ میں جہاد کا کوئی مضمون شامل نہیں ہے، یہ الگ کی بات ہے کہ دعوت کی کامیابی کے بعد ضرورہ جہاد سے کام لیا گیا۔

سید احمد شہیدؒ کی تعلیم و تربیت تصوف اور حنفی مسلک پر ہوئی تھی، جب کہ شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کی تعلیم و تربیت حنبلی مسلک اور تصوف سے کوسوں دور ہوئی تھی، یہی وجہ ہے کہ شہیدیں کی شہادت کے بعد ان کے ماننے والوں کے درمیان عقیدہ غیبیہ بیت کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا جو عرصہ تک ان کے ماننے والوں کے دلوں پر مستولی رہا، اور شیخ محمد

بن عبدالوہاب کی وفات پر اس طرح کے عقیدہ غیبو بیت کے مسئلے کے اٹھ کھڑے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا، کیوں کہ ان کے مشن کا بنیادی مقصد تو حید کی تعلیم اور تصوف کے گورکھ دھندوں سے دور رہنا تھا۔

لہذا! راقم السطور مولانا مسعود عالم ندویؒ کے اس تجربے سے متفق ہے:

”دورانِ بحث و تمحیص نجد کی وہابی تحریک ﴿ جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے ﴾ کا ذکر بار بار بار نظر سے گزرا، اور ایسی غلط بیانیوں اور افترا پردازیوں سے دوچار ہوا کہ یارائے ضبط نہ رہا، سب سے بڑی غلط فہمی جس میں دوست اور دشمن دونوں مبتلا ہیں، یہ کہ ہندوستان کی تحریک وہابیت یعنی حضرت سید صاحبؒ کی تحریک تجدید و امامت نجد کی وہابی تحریک کی ایک شاخ ہے، اس میں شک نہیں کہ دونوں تحریکوں کا مآخذ ایک اور دونوں کے چلانے والے کتاب و سنت کے علم بردار اور یکساں سرگرم مجاہد تھے، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر اٹل ہے کہ ایک کا دوسرے سے دور کا بھی تعلق نہیں، یعنی ایک نے دوسرے کی تعلیمات سے بالکل فائدہ نہیں اٹھایا، دونوں دعوتیں الگ الگ اپنے مخصوص ماحول اور حالات کے مطابق پھیلیں پھولیں، اس لئے اصولی اتحاد ﴿ یعنی کتاب و سنت کی طرف لوٹنے کی دعوت ﴾ کے باوجود دونوں پر اپنے مخصوص مقامی اثرات کی چھاپ بھی محسوس ہوتی ہے اور ایک دوسرے سے اختلاف بھی رکھتی ہیں“

﴿ محمد بن عبدالوہابؒ ایک مظلوم اور بدنام مصلح ص: ۱۶ ﴾

﴿ ۲ ﴾ تحریکِ اہل حدیث ہند اور نجد کی اصلاحی تحریک

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ سید احمد شہید بریلویؒ کی قیادت میں شاہ اسماعیل شہیدؒ ﴿ ۱۱۹۶ھ - ۱۲۴۶ھ ﴾ نے برصغیر کی تحریک جہاد کا بھرپور ساتھ دیا، لیکن ساتھ ہی شیخ الدعوہ محمد بن عبدالوہابؒ کی اصلاح و تجدید کی طرح تو حید کی تعلیم سے تحریک جہاد کو بھرپور غذا بخشی، جس کی زندہ مثال عقیدہ تو حید پر ان کی لکھی ہوئی کتاب ”تقویۃ

تحریر ایک اہلحدیث کا تاریخی پس منظر ﴿۷۶﴾ <http://www.quransunnah.com>

الایمان“ ہے، جو شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی ”کتاب التوحید“ کی طرح توحید کے مضامین پر مشتمل ہے، راقم السطور کی رائے میں اصلاح عقیدہ کے موضوع پر اس طرح کی اب تک برصغیر میں کوئی مستقل کتاب لکھی نہیں جاسکی ہے۔

شہیدین کی شہادت کے بعد تحریک جہاد معنوی طور پر دو حصوں میں بٹ گئی، ایک وہ گروہ جن کے دل شاہ اسماعیل شہیدؒ کے توحیدی بیان اور کتاب وسنت کی ٹھٹھ سے دعوت سے معمور ہو چکے تھے، دوسرا وہ گروہ جن پر جہاد سے سرشاری کے باوجود حنفی مسلک اور تصوف کا رنگ باقی رہا، جن کے دل توحید اور کتاب وسنت کی تعلیم سے معمور ہو چکے تھے، کچھ عرصہ بعد انہیں مولانا ولایت علیؒ کی جہاد کی قیادت سے مزید غذا فراہم ہوئی۔

ادھر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی مسند تدریس کے آخری یادگار سید نذیر حسین محدث دہلویؒ نے توحید اور کتاب وسنت کی روح اپنے ارشد تلامذہ کے دوش پر پورے برصغیر میں پھونک دی، نیز بھوپال کی سرزمین سے نواب صدیق حسن خاں قنوجیؒ نے توحید اور کتاب وسنت کی اشاعت صرف برصغیر ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں کی۔

اب گویا تحریک جہاد ہند تحریک اہل حدیث کا ہم معنی ہو گئی، کیوں کہ اس کا پہلا بنیادی مقصد شہیدین کی شہادت کے بعد پورا ہوا، گرچہ اس مشن کو خاندان صادق پور نے تحریک اہلحدیث کی حمایت سے تقسیم ہند ۱۹۴۷ء تک جاری رکھا، رہا اس کا دوسرا بنیادی مقصد اصلاح رسوم اور رد بدعات و خرافات تو اسے بڑھ کر تحریک اہل حدیث کے متوالوں نے اپنے کندھوں پر اٹھالیا۔

حسن اتفاق کہ ادھر نجد کی تحریک اصلاح و تجدید کو دوبارہ سرزمین حجاز پر سر بلندی حاصل ہوئی، اور اس تحریک کے خلاف جو بدگمانیاں انگریزوں اور بریلویوں حتیٰ کہ حنفی

تحریر ایک اہلحدیث کا تاریخی پس منظر ﴿۷۷﴾ <http://www.quransunnah.com>

مکتب فکر کی جانب سے پھیلائی گئی تھیں، اس کا مطلع قدرے صاف ہوا، اور تو حید اور کتاب و سنت کی تعلیم میں دونوں تحریکوں کی یکسانیت نے اپنے ثمرات دکھالانے شروع کئے، ان دونوں میں قربت بڑھی اور آہستہ آہستہ پروان چڑھنے لگیں۔

گرچہ شیخ الدعوه محمد بن عبدالوہابؒ فروعی مسائل میں حنبلی مکتب فکر کے متبع تھے، لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حنبلی مکتب فکر دراصل گروہ محدثین کی ترقی یافتہ شکل ہے، اس کی واضح دلیل اس مکتب فکر کے ماننے والوں کا کتاب و سنت کی روشنی میں کسی مسئلے کی وضاحت کے بعد اسے بلا جھجک چھوڑ دینا ہے، نیز عقیدے کے باب میں اشعریت اور ماتریدیت کی تعقل پسندی کی آمیزش اور تصوف کی رنگینیوں سے ان کے دامن کا پاک ہونا ہے، اسی راہ اعتدال کا ثمرہ ہے کی سعودی عرب میں فقہ مقارن کی خوب خوب آبیاری ہو رہی ہے، اور اس کی کوکھ سے چوٹی کے سلفی علماء جیسے شیخ بن بازؒ، شیخ محمد صالح العثیمینؒ اور شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ پیدا ہوئے ہیں۔

اس راہ میں تحریک اہل حدیث کے بعض افراد کی جانب سے سلفی مقلد اور سلفی غیر مقلد کی تقسیم دعوتی مصالح کے خلاف ایک ناروا قدم اور نا عاقبت اندیشی ہے، اور فقہ مقارن کی کوششوں کی راہ کا سب سے بڑا پتھر ہے:

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں، بیگانے بھی ناخوش

میں زہر ہلا بل کو کبھی کہہ نہ سکا قد

بہر صورت! اس راہ سے برصغیر کی تحریک اہل حدیث نجد کی تحریک اصلاح و تجدید سے قریب سے قریب تر ہوتی گئی، اسی سلسلے کی ایک کڑی شیخ بن بازؒ کے استاد گرامی شیخ سعد بن حمد بن عتیقؒ ﴿۱۲۷۸ھ-۱۳۴۹ھ﴾ تھے، جنہوں نے نجد سے ہندوستان کا سفر کر کے سید نذیر حسین محدث دہلویؒ اور علامہ نواب صدیق حسن خاں قنوجیؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا، نیز جب ترکوں اور مصریوں نے انگریزوں سے ساز باز کر کے نجد

کی تحریک اصلاح و تجدید کو زک پہونچائی اور وہ مالی مشکلات سے دوچار ہوئی تو نواب صدیق حسن خاں قنوجی نے ان کی چاول کی بوریوں سے نیز دیگر مادی اور معنوی مدد کی۔

اب جب کہ نجد کی اصلاح و تجدید کی راہ پر گامزن حکومت و افراد کو اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت کی اتباع اور پیروی کی بدولت دنیاوی مال و متاع سے نوازا ہے اور وہ دوسروں کی طرح برصغیر کی تحریک اہلحدیث کی مادی اور معنوی مدد کرتے ہیں تو یہ توحید کی تعلیم، کتاب و سنت کی اتباع اور فکر و عمل میں یکسانیت کا ثمرہ اور نتیجہ ہے، نہ کہ تملق، چاہلوسی اور ریا لوں کی چمک دمک میں تحریک اہل حدیث کا گم ہو جانا ہے، جیسا کہ برصغیر کے بعض گروہوں کا اس تحریک کے ماننے والوں پر یہ الزام ہے، اللہ تعالیٰ ہر ایک کو حقیقت حال سمجھ کر اس کی روشنی میں اخلاص و للہیت کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہر طرح کی فرقہ بندی اور گروہ بندی سے محفوظ رکھے:

مدعا تیرا اگر دنیا میں ہے تعلیم دیں
ترک دنیا قوم کو اپنی نہ سکھانا کہیں
وانہ کرنا فرقہ بندی کے لئے اپنی زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامہ محشر یہاں

تحریک اہل حدیث اور سیاست

علم سیاست کی اب تک جو تعریف کی جاسکی ہے اس میں سب سے زیادہ جامع مانع تعریف یہ ہے:

”یہ علم انسانوں کے اس اجتماعی اور سیاسی رویے سے بحث کرتا ہے جس کے مطابق وہ اپنے تمام اجتماعی امور کو باقاعدہ منظم صورت میں انجام دینا چاہتے ہیں، تاکہ وہ اپنے

مقاصد زیادہ سے زیادہ بہتر صورت میں حاصل کر سکیں“

﴿سیاست و ریاست ص: ۸﴾

درحقیقت یہ تعریف شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی سیاست مدنیہ کی تعریف کا چرہ اور خلاصہ بلکہ اس کی وضاحت ہے، چنانچہ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

”ہی الحکمة الباحثة عن كيفية حفظ الربط الواقع بين أهل

المدينة“ ﴿حجة الله البالغة. ج ۱ ص: ۴۴﴾

سیاست اس حکمت و مصلحت کا نام ہے جو شہریوں کے مابین واقع روابط کی حفاظت کی کیفیت سے بحث کرتا ہے۔

علم سیاست کی یہ تعریف اور وضاحت اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے، وہ اپنے حقوق کی حصول یابی اور ضروریات کی تکمیل کے لئے کوئی ایسا منظم اجتماعی لائحہ عمل مرتب کرنے کا خواہاں رہتا ہے، جو اس کے حقوق اور ضروریات کی تکمیل بدرجہ اتم پورا کر سکے۔

اس وضاحت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ انسان فطرۃً جزوی یا کلی طور پر سیاست سے اپنا تعلق قائم رکھنے پر مجبور ہے، اس کے بغیر اس کے لئے زندگی کی شاہ راہ پر باضابطہ گامزن رہنا مشکل ہے، جب فرد کا یہ حال ہے تو کسی تحریک کا کیا حال ہوگا؟

لہذا! یہ مسئلہ اٹھانا کہ تحریکِ اہلحدیث ہند کا سیاست میں کوئی حصہ نہیں رہا ہے، یہ ایک غیر فطری، غیر حقیقی اور غیر منطقی بات ہے، جو فکر و عقل اور بحث و تحقیق کے میدان میں کوئی وقعت نہیں رکھتی، ہاں! ممکن ہے کہ وقت اور حالات و ظروف نے بعض افراد اور تحریکات کو خاموش کر دیا ہو، اور انہوں نے اپنا کام خفیہ طور پر انجام دیا ہو، تاریخ میں ”اخوان الصفاء“ کی تحریک علم و ادب کی راہ سے اور ”کلیلہ و دمنہ“ کی زبان اسی امر کی عکاسی کرتی ہے، خود برصغیر میں شیخ الہند محمود الحسنؒ کی ریشمی رومال کی تحریک اور شہدین

کی تحریک جہاد کی خفیہ اصطلاحیں اس امر کے واضح دلائل ہیں، جیسے چھوٹا گودام سے مراد پٹنہ، بڑا گودام سے مراد ستھانہ، رنگ روٹ سے مراد جہادی اور قافلہ سے مراد صادق پور کے علماء کے مکانات کے احاطے وغیرہ۔

سیاست کی اس طبعی اور فطری حقیقت کی قدرے وضاحت کے بعد مغلیہ دور حکومت کے خاتمے کے بعد کی برصغیر کی سیاست کو تین خانوں میں تقسیم کر کے گفتگو کی جاتی ہے:

﴿ ۱ ﴾ اسلامی سیاست یا تحریک جہاد۔

﴿ ۲ ﴾ جمہوری سیاست بالفاظ دیگر لادینی سیاست۔

﴿ ۳ ﴾ اسلام کے نام پر جمہوری سیاست۔

﴿ ۱ ﴾ اسلامی سیاست یا تحریک جہاد

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حاکمیت کا اقرار، اس کے قانون کی تنفیذ اور اس کی دعوت کی راہ میں اگر کوئی رکاوٹ آئے اور کوئی فتنہ سراٹھائے تو اس کی سرکوبی کے لئے جہاد کرنا اسلامی سیاست کا ایک لازمی جزء ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَهَوْا

فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ“ ﴿البقرة: ۱۹۳﴾

ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے، اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب نہ آجائے اگر یہ رک جائیں تو تم بھی رک جاؤ، زیادتی تو صرف ظالموں پر ہی ہے۔

اسلامی سیاست کے اس منشا کی تکمیل کے لئے برصغیر میں پہلی صدی ہجری کے بعد پہلی اسلامی تحریک سید احمد شہید بریلوی کی قیادت میں شروع ہوئی جو ان کی اور ان کے رفیق خاص شاہ اسماعیل شہید کی مشہد بالا کوٹ میں شہادت پر منبج ہوئی، اول الذکر

شخصیت، قائد جہاد اور صاحبِ دل نے حنفی مکتب فکر اور تصوف کی راہ سے اس تحریک کو برپا کرنے میں عظیم کامیابی حاصل کی، جس کی مثال تاریخ ہند میں نہیں ملتی، اور ثانی الذکر شخصیت، کتاب و سنت کا شیداء، عقیدہ توحید کا پاسباں، تحریر و تقریر اور میدان کارزار کا بے مثال سپاہی اور برصغیر کی تحریکِ اہلحدیث کا بانی سید صاحب کی قیادت پر رائے کے اختلاف کے باوجود دعوتی اور جہادی مصلحتوں کے پیش نظر صاد کیا، بیعت کی اور تحریک جہاد کو بھرپور غذا بخش کر اوج کمال تک پہنچایا، ان کی تالیف ”تقویۃ الایمان“ ”تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین“ اس امر کی شاہدِ عدل ہیں، عقیدے اور رفع الیدین کے اثبات کے موضوع پر آج مطلع صاف ہو جانے، بہت حد تک تحقیق کا میدان ہموار ہو جانے اور ایک دوسرے کو انگیز کرنے کے باوجود حنفی مکتب فکر کا کوئی فرد اس طرح کی مستقل کتاب نہیں لکھ سکتا، چہ جائیکہ اُس دور میں جب کہ ہر طرف انہی کا غلبہ تھا۔

لیکن افسوس کہ تحریک جہاد کے جانشینوں میں ایسے افراد پیدا ہونے لگے جو تصوف کو تزکیہ و احسان کا نام دے کر اسے روحانیت کی معراج کہنے، ماننے اور عمل کرنے اور کرانے پر زور دینے لگے۔

بہر صورت! دعوت کی راہ میں شاہ اسماعیل شہیدؒ کی اسی عزیمت کی بدولت ابو الکلام آزادؒ نے ان کے حق میں فرمایا تھا:

”بایں ہمہ یہاں جو کچھ ہوا تجدید و تدوین علوم و معارف اور تعلیم و تربیت اصحاب استعداد تک محدود رہا، اس سے آگے نہ بڑھ سکا، فعلاً عمل و نفاذ اور ظہور و شیوع کا پورا کام تو کسی دوسرے ہی مرد میدان کا منتظر تھا، اور معلوم ہے کہ توفیق الہی نے یہ معاملہ صرف حضرت علامہ و مجدد شہیدؒ کے لئے مخصوص کر دیا تھا، خود حضرت شاہ ”ولی اللہ محدث دہلوی“ صاحب کا بھی اس میں حصہ نہ تھا“ ﴿تذکرہ: ص: ۲۴۴﴾

اور ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے ان کے حق میں کہا تھا:

”اگر مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے بعد ان کے مرتبے کا ایک مولوی بھی پیدا ہو جاتا تو آج ہندوستان کے مسلمان ایسی ذلت کی زندگی نہ گزارتے“

﴿ تاریخ اہلحدیث ج: ۴۲۲ ﴾

اور مولانا مسعود عالم ندویؒ فرماتے ہیں:

”مگر خود سید احمد صاحب کی جماعت میں مولانا اسماعیل شہیدؒ ﴿ ۱۲۴۶ھ ﴾ کے اثر سے خالص عاملین بالحدیث کا بھی ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا“

﴿ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ج: ۲۸ ﴾

اور مولانا مسعود عالم ندویؒ، مولانا ولایت علیؒ کی سیاسی قیادت کے بارے میں فرماتے ہیں:

”فاجعہ بالا کوٹ کے بعد تمام ملک پر اداسی چھائی ہوئی تھی، جماعت تتر بتر ہو گئی، اچھوں اچھوں کے قدم لڑکھار رہے تھے، جہاد کا سارا کام درہم برہم ہوا چاہتا تھا کہ عظیم آباد پٹنہ محلہ صادق پور کے ایک فرد نے یہ گرتا ہوا علم اپنے ہاتھوں سے تھام لیا اور زندگی بھر اپنے سینوں سے لگائے رکھا اور پھر اس مرد کامل کے بعد اس کے بھائیوں، بھتیجیوں، عزیزوں اور ماننے والوں نے جس طرح اپنے خون سے اس نخل خزاں دیدہ کی آبیاری کی ہے وہ اسلام ہند کی پوری تاریخ میں اپنی آپ مثال ہے“

﴿ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ج: ۵۶ ﴾

مولانا ولایت علیؒ تحریک اہل حدیث کے ہراول دستے میں شمار ہوتے ہیں، اب ان کی تحریک جہاد کی قیادت کے گرتے ہوئے علم کو سنبھالنا اور اسے تقسیم ہند ۱۹۴۷ء تک قائم رکھنا کیا تحریک اہل حدیث کا برصغیر کی سیاست سے الگ ہو جانا ہے، یہی نہیں بلکہ سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے شاگرد رشید مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ جو

تحریر: الحمد للہ کا تاریخی پس منظر ﴿۸۳﴾ <http://www.quransunnah.com>

تحریک اہل حدیث کے تنظیمی ڈھانچے کے بانیوں میں سے ہیں، انہوں نے بھی خاندان صادق پور کی تحریک جہاد کی اس قیادت میں شرکت فرمائی، چنانچہ جب مولانا عبدالرحیم صادق پوری ﴿۱۲۵۲ھ-۱۳۳۱ھ﴾ کو فرنگیوں نے جزیرہ انڈمان میں قید کر دیا تو ان کی جگہ پر مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی ہی قائد مقرر کئے گئے، لیکن جب وہ جزیرہ انڈمان سے ﴿۱۲۸۰ھ تا ۱۳۰۰ھ﴾ سزا کاٹ کر واپس ہوئے تو قیادت ان کے حوالے کر دی گئی، لیکن مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی نے مرتے دم تک تحریک جہاد کے صادق پوری قائدین کا مالی اور معنوی تعاون فرمایا، یہی وجہ ہے کہ فرنگیوں کی طرف سے ان کی وفات کے ﴿۱۹۱۸ء﴾ چند دنوں پہلے جس دوام کا وارنٹ ان کی میز پر رکھا تھا۔

ان تاریخی حقائق کے باوجود اسلامی سیاست میں تحریک اہل حدیث کے حصہ نہ لینے والی بات غیر حقیقی، غیر منطقی اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کی ایک ناروا کوشش ہے، اللہ ہر ایک کو حقیقت کے آئینے میں تاریخی حقائق کو دیکھنے اور پرکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ماضی قریب میں افغانستان کے اسلامی جہاد میں جب تحریک اہل حدیث کے قائد امیر جمیل الرحمن کو ملک کی ایک ریاست پر غلبہ حاصل ہوا تو انہوں نے فوراً ہی کتاب و سنت کی بنیاد پر اسلامی حکومت کی بنا ڈال دی، لیکن افغانستان کے دیگر جہادی گروپوں کو یہ عمل ایک نظر نہ بھایا اور انہوں نے ان کے قتل پر دم لیا، کوئی صاحب دل ان الزام تراشیوں سے پوچھے کہ کیا یہ بھی ایک جھوٹ ہے؟

﴿۲﴾ جمہوری سیاست بالفاظ دیگر لادینی سیاست

مسلمانوں کی زندگی میں اسلامی سیاست اور اس راہ میں جہاد ہی اصل ہے جس کا قدرے ذکر ”اسلامی سیاست“ کے باب میں کیا جا چکا ہے، اس کے علاوہ کسی جمہوری

لادینی سیاست یا اس جیسے دیگر نظام ہائے سیاست میں حصہ لینا ان کے لئے وقت، ظروف و حالات اور زمان و مکان کی ایک اضطراری ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے، وہ جہاں بھی رہے گا وہاں کی سیاست میں اپنا رول ادا کر کے اپنے حقوق کی حصول یابی اور ضروریات کی تکمیل کرے گا، گرچہ اس کی نوعیت اور کیفیت زمان و مکان اور نظام سلطنت کے اعتبار سے جدا جدا ہوتی ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجبوراً اسے سیاست سے سبک دوش ہونا پڑتا ہے لیکن یہ ”الشاذ کالمعذور“ کے ضمن میں آتا ہے۔

بہر صورت! اسلام اپنے ماننے والوں کو زمان و مکان اور ظروف و حالات کے مطابق اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے ساتھ اپنے حقوق کی حصول یابی اور ضروریات کی تکمیل کے لئے کسی بھی نظام سیاست میں حصہ لینے سے نہیں روکتا۔

اس معنی میں فرنگیوں کو ہندوستان سے بھگانے کے سلسلے میں ایک ہندو مسلم تحریک چلی، جس کی قیادت بحیثیت ہندو گاندھی جی اور بحیثیت مسلمان ابوالکلام آزاد نے سنبھالی، اور ابوالکلام آزاد کا اہل حدیث ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہے، ان کی تالیف ”تذکرہ“ کے مضامین، ان کا تحریک اہل حدیث صادق پور کے ایک عالم دین سے کلکتہ میں کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کرنا، ان کا اپنے آبائی خانقاہی ریاست کو خیر باد کہنا اور تحریک اہل حدیث کے جملہ کاموں کی پر زور حمایت کرنا وغیرہ تاریخ کا ایک اٹوٹ حصہ اور ایک اہم باب ہے، راقم السطور یہاں پر بطور تاریخی شواہد مولانا محمد جونا گڑھیؒ کے بنام ”اعلام الموقعین لابن القیمؒ“ کے ترجمہ پر ان کے لکھے گئے خطوط کے چند تراشے پیش کرتا ہے: ”جی فی اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے حافظ ابن القیمؒ کی ”اعلام الموقعین“ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، مجھے اس خبر سے نہایت خوشی ہوئی، عرصہ ہوا میں نے بعض عزیزوں کو جو

ترجمہ کے کام سے دلچسپی رکھتے ہیں، اس کام پر لگایا تھا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور شیخ الاسلام ابن القیمؒ کی مصنفات اردو میں منتقل کریں، چنانچہ منتخب کتابوں میں ”اعلام“ بھی تھی، لیکن کتاب ضخیم ہے اس لئے اس کی نوبت نہ آئی، مختصرات شائع ہو گئیں، اب آپ اس طرف متوجہ ہوئے ہیں تو میں کہوں گا، آپ نے ایک نہایت موزوں کتاب ترجمے کے لئے منتخب کی ہے، اللہ آپ کو مزید توفیق کا رعا فرمائے، مباحث فقہ و حدیث میں متاخرین کا کافی ذخیرہ موجود ہے، لیکن اس سے بہتر اور اصلاح کوئی کتاب نہیں، اسے اردو میں ترجمہ کر دینا اس گوشے کی تمام ضروریات بیک دفعہ پوری کر دینا ہے، خصوصیت کے ساتھ اس کی ضرورت انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے ہے، اس طبقہ میں بہت سے لوگ مذہبی ذوق سے آشنا ہو چکے ہیں، لیکن صحیح مسلک کی خبر نہیں رکھتے اور عربی سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے براہ راست مطالعہ نہیں کر سکتے، اگر ”اعلام“ اردو میں شائع ہوگئی تو ان کی فہم و بصیرت کے لیے کافی مواد مہیا ہو جائے گا، میں نہایت خوش ہوں گا اگر اس ترجمہ کی اشاعت میں آپ کو کچھ مدد دے سکوں“

”چونکہ اسلام کے اندرونی مذاہب و مشارب کی پیچیدگیوں سے عموماً مسلمان باخبر نہیں ہے، اس لئے بسا اوقات ان کا مذہبی شغف غلط راہوں میں ضائع ہو جاتا ہے، اس کتاب کا مطالعہ ان پر واضح کر دے گا کہ حکمت و دانش کی حقیقی راہ کن لوگوں کی راہ ہے، متبعین کتاب و سنت کی یا اصحاب جدل و خلاف کی؟ خود صاحب اعلام اپنے قصیدہ نونیہ میں کیا خوب فرما گئے ہیں:

العلم قال الله قال رسوله قال الصحابة هم أولو العرفان
ما العلم نصبك للخلاف جهالة بين النبي وبين آراء فلان
یعنی علم دین وہی ہے جو قرآن و حدیث میں ہے، جو معرفت خداوندی میں ڈوبے
ہوئے فیضان صحبت رسول کے فیض یافتہ صحابہ کرام کی زبان سے ظاہر ہوا ہے، کسی کی

رائے کو سنت و حدیث سے ٹکرانا، رائے کے غلبے کے لیے دلائل قائم کرنا اور اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے رائے کے جھنڈے خلاف حدیث بلند کرنے کا نام علم دین نہیں، ابوالکلام کان اللہ از کلکتہ۔

﴿ مترجم اُعلام الموقعین عن رب العالمین. ج ۱ ص: ۱۹-۲۰ ﴾

فقہی مکاتب فکر کے افراد ”اُعلام الموقعین“ کا نام ہی سن کر خوف کھاتے ہیں، چہ جائیکہ اس کا ترجمہ، اس کی تشبیح اور اس کے تعاون کی پیش کش کریں، یہ کام کتاب و سنت کا حامل و عامل اور ناصر و حامی ہی کر سکتا ہے، لہذا! راقم السطور اس سلسلے میں اس تاریخی دستاویز کے بعد کسی دوسرے ثبوت کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

کانگریس کے علاوہ برصغیر میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے جو بھی سیاسی، فلاحی اور رفاہی تحریکیں اٹھیں، اس میں تحریک اہل حدیث نے فطرۃً شامل ہو کر اپنا رول ادا کیا ہے، خواہ وہ تحریک خلافت ہو یا تحریک احرار، یا جمعیت علمائے ہند، ماضی قریب میں مولانا عبدالوہاب آرومی جمعیت اہل حدیث کے صدر جو جمعیت علمائے ہند کے صدر بھی رہ چکے ہیں، اور کل تک مسلم پرسنل بورڈ کے رکن ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی رہے ہیں، اور سردست مولانا محمد مختار ندوی ہیں۔

لہذا! تحریک اہل حدیث پر سیاست میں حصہ نہ لینے والا الزام معذرت کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کو کشادہ دلی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے واپس لے لینا چاہئے۔

﴿ ۳ ﴾ اسلام کے نام پر جمہوری سیاست

برصغیر میں کانگریس کے متبادل اسلام کے نام پر مسلم لیگ کی تحریک اٹھی تاکہ وہاں کے مسلمانوں کو ان کا کھویا ہوا مقام واپس دلا سکے، راقم السطور اس اختلافی بحث میں الجھنا نہیں چاہتا کہ برصغیر کے مسلمانوں کے حق میں کانگریس کا ساتھ دینا درست تھا یا

مسلم لیگ کا۔

لیکن بعد کے حقائق نے یہ ثابت کر دیا کہ جو تحریک کلمہ لا الہ الا اللہ کے نام پر اٹھی تھی وہ اپنے حقیقی مقصد کو اب تک پورا نہ کر سکی، لیکن یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت، زبان و ادب اور عزت و وقار کی بحالی کے لئے ہر صغیر میں ایک مسلم ملک معرض وجود میں آ گیا، اور جو اس راہ میں اپنا فریضہ بخوبی انجام دے رہا ہے۔

ہمارا مقصد یہاں اس تحریک میں ہر صغیر کی تحریک اہل حدیث کے حصہ لینے یا نہ لینے سے ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہر صغیر کی بساط سیاست پر اٹھنے والی کانگریس اور مسلم لیگ دونوں ہی تحریکوں میں تحریک اہل حدیث، حنفی مکتب فکر اور اسلام کے نام پر قائم دیگر جماعتوں نے برابر کا حصہ لیا ہے، خود دیوبند میں اس مسئلے پر علمائے کرام دو حصوں میں بٹ گئے، پہلا گروہ مولانا حسین احمد مدنیؒ کا جنہوں نے کانگریس کا بھرپور ساتھ دیا جن کی مخالفت میں علامہ اقبالؒ نے ذیل کے اشعار تک کہہ ڈالے:

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد این چہ بواجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبرز مقام محمد عربی است

اہل عجم دین کے اسرار و رموز سے ناواقف ہیں ورنہ دیوبند کے حسین احمدؒ سے اس قسم کی بواجبی ظاہر نہیں ہوتی، انہوں نے سر منبریہ فرما دیا کہ ملت کی تعمیر وطن سے ہوتی ہے، جو محمد عربی کے مقام سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔

دوسرا گروہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا تھا جنہوں نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا، اور تقسیم ہند

کے بعد کراچی جا کر انہوں نے اپنے ہاتھوں سے وہاں کا پہلا جھنڈا بکھرا دیا۔ اسی طرح تحریک اہل حدیث نے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کا ساتھ دیا کانگریس کا ساتھ دینے کے موضوع پر گزشتہ سطور میں بات ہو چکی ہے، اب رہی بات مسلم لیگ کا ساتھ دینے کی تو راقم السطور یہاں پر تاریخ سے صرف ایک مثال دے کر اپنی بات ختم کریگا، وہ یہ کہ خاندان صادق پور پٹنہ جنہوں نے برصغیر کی اسلامی سیاست میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، انہوں نے فطرۃ تقسیم کے وقت مسلم لیگ کا ساتھ دیا، ان کے افراد راتوں کو مسلم لیگ کا پمفلٹ تقسیم کرتے اور دیواروں پر چسپاں کرتے، پٹنہ سے لے کر ہمارے علاقے مظفر پور اور ڈھاکہ، چمپارن میں مسلم لیگ صرف اس لیے ہار گئی کہ مولانا حسین احمد مدنی کا اثر و رسوخ اس علاقے میں زیادہ تھا، ان کی ایک تقریر سے اس علاقے کی رکنیت آخری وقت میں مسلم لیگ کے بجائے کانگریس کی جھولی میں چلی گئی۔

تقسیم کے بعد پاکستان کی جمہوری سیاست میں وہاں کی تحریک اہل حدیث نے بھرپور حصہ لیا اور لے رہی ہے، مثلاً مولانا محمد داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی وہاں کی شریعت بل کے رکن رکیں رہے، اور علامہ احسان الہی ظہیر نے اسلامی ریاست کے وعدے کو پورا کرنے پر اتنا زور دیا کہ انہوں نے اسی راہ میں جام شہادت نوش کیا، کیونکہ ان کی شہادت کے چند بنیادی اسباب میں ایک بنیادی سبب اس وقت کی حکومت وقت کا ہاتھ بھی بتایا جاتا ہے، سردار عبدالقیوم آزاد کشمیر کے وزیر اعظم رہ چکے ہیں، ابھی جنرل پرویز مشرف کی فوجی حکومت کے پہلے مسلم لیگ کی حکومت میں جناب ساجد میر امیر تحریک اہل حدیث منبر پارلمنٹ رہے ہیں، پاکستان کی موجودہ افسوسناک صورت حال میں وہاں کی تحریک اہلحدیث کی ہمدردیاں بہر حال متحدہ مجلس عمل کے ساتھ ہیں۔

اہل حدیث نام کی وجہ تسمیہ

کسی فرد، یا تحریک، یا قوم، کسی جگہ یا کسی چیز کا نام تعارف اور ایک دوسرے سے ممتاز کرنے کے لئے رکھا جاتا ہے، اس غرض سے اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لئے مسلمین کا نام اختیار کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”ہو سماکم المسلمین“ ﴿الحج: ۷۸﴾

اسی اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

اور یہ نام لفظ اور معنی دونوں ہی اعتبار سے پیارا اور محبوب ہے، مسلم کا لفظ زبان سے ادا کرنے پر آدمی کے دونوں ہونٹ باہم مل جاتے ہیں جو ہمیں الفت اور یگانگت کا پیغام دیتا ہے، معنوی اعتبار سے یہ لفظ اپنے دامن میں صلح و آشتی، سلامتی اور بندے کا اطاعت کی غرض سے اپنی گردن کو دربار الہی میں جھکا دینا ہے۔

اسلام نے انفرادی طور پر بھی اپنے ماننے والوں کو اچھے نام رکھنے اور اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے، روایت ہے:

”انکم تدعون یوم القيامة بأسمائکم و أسماء آبائکم

فأحسنوا أسمائکم“ ﴿ابو داؤد﴾

تم بروز قیامت اپنے اور اپنے آباء و اجداد کے ناموں کے ذریعے پکارے جاؤ گے، لہذا! اپنے نام اچھے رکھو!

یہ حدیث گرچہ سند کے اعتبار سے منقطع ہے، کیوں کہ اس کی سند کے ایک راوی عبد اللہ بن ابوزکریا کی ملاقات ابو درداءؓ سے نہیں ہوئی ہے جو اس حدیث کے اصل راوی ہیں۔

لیکن اس حدیث کے آخری جزء ”فأحسنوا أسمائکم“ کی تصدیق و توثیق دیگر

احادیث اور عملِ نبی اور عملِ صحابہ سے بخوبی ہو جاتی ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول ارشاد فرماتے ہیں:

”ان أحب أسمائکم الی اللہ عبد اللہ و عبد الرحمن“ ﴿مسلم﴾

تمہارے ناموں میں سب سے بہترین نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں

”تسموا باسم الأنبياء و أحب الأسماء الی اللہ عبد اللہ و عبد الرحمن

و أصدقها حارث و همام و أقبحها حرب و مرة“ ﴿ابوداؤد﴾

نبیوں کے نام پر اپنے نام رکھو اور بہترین اور پسندیدہ نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں، سب سے سچا اور اچھا نام حارث و همام اور سب سے ناپسندیدہ نام حرب اور مرہ ہیں۔

اس روایت کے راویوں میں ایک راوی عقیل بن شمیم مجہول الحال ہیں اور دیگر راوی ثقہ ہیں،

ان روایات کے مجموعی معنی سے اس امر کی بخوبی نشان دہی ہوتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اچھے نام پسندیدہ اور برے نام ناپسندیدہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب ناپسندیدہ ناموں کا ذکر آپ کے سامنے ہوتا تو آپ انہیں اچھے ناموں سے بدل دیتے، جیسے ایک شخص کا نام حزن یعنی غم تھا تو آپ نے اسے سہل یعنی آسان سے بدل دیا، ایک شخص کا نام مرہ یعنی کڑوا تھا تو اسے برہ یعنی نیک میں تبدیل کر دیا، عبد الرحمن بن عوف کا نام عبد الکعبہ تھا تو اسے عبد الرحمن سے بدل دیا، وغیرہ وغیرہ، اللہ کے رسول کے اس عمل کو حضرت عائشہؓ اس طرح مختصر انداز میں بیان فرماتی ہیں:

”کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغیر الاسم القبیح“ ﴿الترمذی﴾

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناپسندیدہ نام بدل دیا کرتے تھے۔

حاصل یہ کہ اچھے نام رکھنا اللہ اور اللہ کے رسول کو پسند اور محبوب ہے، لہذا!

مسلمانوں کو اسی راہ پر گامزن ہونا چاہئے۔

ناموں کے سلسلے میں اس شرعی حقیقت کی روشنی میں جب ہم تاریخ اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو جماعتوں اور تحریکات کے ناموں میں مہاجرین و انصار کے بعد سب سے پیارا اور پسندیدہ اور محبوب نام اہل حدیث اور اصحاب الحدیث ہے، راقم السطور اپنے اس دعوے کو مبرہن کرنے کے لئے تاریخ اسلام کے ہر میدان کے مشہور ناموں کا ایک مختصر جائزہ لیتا ہے:

سیاست کے میدان میں جیسے: شیعہ یعنی حضرت علیؑ اور آل بیت کی عقیدت میں گمراہ ہونے والے، خوارج جن کا علیؑ اور معاویہؓ کے باہمی مشاجرات سے جذبات میں آکر خروج کرنا اور ان دونوں گروہوں کو نعوذ باللہ کا فرقہ قرار دیکر خود دائرۃ اسلام سے خارج ہونے کی راہ پر گامزن ہونا۔

عقیدے کی راہ میں جیسے: جہمیہ کا جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہو کر اس کے تحیم اور لادینیت کا شکار ہونا، قدریہ کا تقدیر کے مسئلے میں الجھ کر اپنے مقدر کو خراب کر لینا، مرجئیہ کا اعمال کو ایمان سے جدا کر کے اہل سنت والجماعت سے جدا ہو جانا، جبریہ کا بندے کو اس دارالعمل میں مجبور محض کا سبق دیکر راہ راست سے پھر جانا، اور اشعری اور ماتریدی فرقے کا خواجہ ابوالحسن الأشعری اور منصور محمد الماتریدی کی تعقل پسندی کا شعوری یا غیر شعوری طور پر شکار ہو کر ان کی راہ پر چل پڑنا۔
فقہی مکاتب فکر کی راہ میں حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور ظاہریہ کا اپنے مشہور و معروف اماموں کی طرف منسوب ہونا۔

تصوف کے میدان میں قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، رفاعیہ، تجانیہ اور چشتیہ وغیرہم کا اپنے ائمہ سلوک و طریقت کی طرف منسوب ہو کر ہندو جوگی پن، یونانی رہبانیت اور ایرانی تصوف کا شکار ہونا۔

تاریخ اسلام میں اسلام کے نام پر پیدا ہونے والی ان تحریکوں اور جماعتوں کے ناموں پر کوئی انصاف پسند صاحب دل غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ یہ تمام نام یا تو شخصیت پرستی جیسے شیعہ۔ انتہا پرستی جیسے خوارج، تعقل پسندی جیسے جہمیہ، قدریہ، مرجئیہ، جبریہ، اشعریہ اور ماتریدیہ وغیرہم، فقہی میدان میں شخصیت کی اتباع یا تقلید جیسے: حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، اور فن تصوف میں قدریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، تیجانیہ، رفاعیہ اور چشتیہ وغیرہم جن کا کاروبار تصوف تزکیہ و احسان سے شروع ہو کر وحدۃ الوجود کے نعرۂ انا الحق پر اختتام پزیر ہوا۔

لیکن اہل حدیث نہ کسی شخصیت پرستی، نہ انتہا پرستی، نہ تعقل پسندی، نہ شخصی تقلید اور نہ تصوف کی پرپیچ وادی میں بٹھک کر اپنے نام اور کام سے دست بردار ہوئی، اور نہ سرمو کتاب و سنت سے انحراف کا شکار ہوئی، بلکہ قرونِ اولیٰ کی طرح آج تک ایک ہی راہ پر رواں دواں ہے، الحمد للہ والشکر لہ۔

در اصل شروع اسلام میں اہل سنت و الجماعت کے درمیان دو ہی مکاتب فکر معرض وجود میں آئے، ایک اہل الرائے اور دوسرا اہل الحدیث، ان دونوں ناموں میں اہل الرائے کے مقابلے میں اہل الحدیث کا نام لفظی اور معنوی دونوں ہی اعتبار سے اقرب الی الکتاب والسنہ ہے، کیوں کہ حدیث کا لفظ ارشاد رسول کے ساتھ کلام اللہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ“ ﴿الأعراف: ۱۸۵﴾

پھر قرآن مجید کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے

اور ارشاد رسول تو لغوی اور اصطلاحی دونوں ہی اعتبار سے حدیث کہلاتا ہے، جو کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں، اس کے مقابلے میں رائے کا لفظ اپنے اندر ظن و تخمین کا پہلو بھی رکھتا ہے جو ایک حد سے آگے بڑھ جائے تو شرعاً معیوب و مردود ہے، اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے:

”ان بعض الظن اثم“ ﴿الحجرات: ۱۲﴾

یقیناً بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔

اور اللہ کے رسول ارشاد فرماتے ہیں:

”أياكم و الظن فان الظن أكذب الحديث“ ﴿مسلم﴾

اے ایمان والو! بدگمانی سے بچو کہ یقیناً وہ بدترین جھوٹ ہے۔

بلکہ اللہ کے رسول نے کتاب و سنت میں رائے زنی سے پرہیز کرنے کی تعلیم دی ہے اور اس سلسلے میں سخت وعید سنائی ہے، فرماتے ہیں:

”من قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار“ ﴿الترمذی﴾

جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کام لیا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کی آگ بنا لے۔

گرچہ یہ حدیث متکلم فیہ ہے، شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے، لیکن شیخ احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے، لیکن رائے و قیاس کا وہ پہلو جس کو کتاب و سنت پر مسلط کیا جائے یقیناً معیوب اور مردود ہے۔

بہر صورت! حدیث الہی اور حدیث رسول اپنے دامن میں قطعاً اس طرح کا معیوب پہلو نہیں رکھتا، بلکہ امت اسلام پر ان ہی کی اتباع فرض ہے بلکہ اس کے بغیر کسی کا ایمان معتبر نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ برصغیر کی کتاب و سنت کی تحریک نے اپنے لئے کتاب و سنت سے قریب تر نام ”اہل حدیث“ کا انتخاب کیا ہے۔

یہاں پر سادہ لوح مسلمانوں کو یہ مغالطہ دیا جاتا ہے یا علمی طور پر یہ شبہ پیدا کیا جاتا ہے کہ تاریخ میں اہل حدیث کا لفظ کسی مکتب فکر کے لئے استعمال نہیں ہوا ہے، بلکہ فن حدیث کے ماہرین اور اس راہ کے مسافروں کو اہل حدیث کہا گیا ہے، اس مغالطے اور

شعبے کا جواب اسی نام سے پچھلے ایک باب میں دیا جا چکا ہے، جس کا یہاں پر اعادہ تحصیل حاصل ہوگا، لیکن موضوع کی مناسبت سے ایک دو دلیلوں ذکر یہاں پر بھی مناسب رہیگا، جس سے قرون اولیٰ کی دو بنیادی تقسیم اہل الرائے اور اہل الحدیث پر بھی روشنی پڑ جائیگی۔

فتہ حنفی کی تاریخ جدید کے ایک بڑے فقیہ علامہ ابن عابدین شامیؒ ابو بکر الجوز جانیؒ کے عہد یعنی تیسری صدی ہجری کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جو امام محمدؒ کے شاگرد ہیں، اور جس واقعہ سے اس الزام کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ برصغیر کے اہل حدیث صرف فروعی مسائل میں الجھ کر رہ گئے ہیں حالانکہ قدماء میں اس طرح کی شدت نہیں پائی جاتی تھی، بہر صورت علامہ شامیؒ کا بیان کردہ واقعہ یہ ہے:

”حکى أن رجلاً من أصحاب أبي حنيفة خطب إلى رجل من أصحاب الحديث ابنته في عهد أبي بكر الجوزجاني فأبى إلا أن يترك مذهبا فيقرأ خلف الامام ويرفع يديه عند الانحناء و نحو ذلك فأجابته فزوجه“ ﴿رد المختار شرح الدر المختار ج ۳ ص: ۳۹۳-۳۹۴﴾
بحوالہ تاریخ اہل حدیث. ص: ۱۳۲-۱۳۳ ﴿

حکایت ہے کہ قاضی ابو بکر جوز جانیؒ کے زمانے میں ایک حنفی نے ایک اہلحدیث سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا، اس اہلحدیث نے انکار کر دیا، لیکن اس شرط پر کہ وہ حنفی اپنا مذہب چھوڑ دے، امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے اور رکوع جاتے وقت رفع الیدین کرے، اور اسی طرح اہل حدیث کے دیگر مسائل پر عمل کرے، اس حنفی نے اس شرط کو منظور کر لیا تو اس اہل حدیث نے اپنی لڑکی کی شادی اس سے کر دی۔

اور چوتھی صدی ہجری کے علامہ بشاری مقدسیؒ جنہوں نے ۳۷۵ھ میں ہندوستان کی سیاحت کی تھی، وہ اپنے سفر نامے میں ”سندھ“ کے ایک علاقے ”منصورہ“ کے

بارے میں لکھتے ہیں:

”یہاں کے ذمی بت پرست لوگ ہیں، مسلمانوں میں اکثر اہلحدیث ہیں“

﴿تاریخ سندھ ج ۱ ص: ۱۲۲ بحوالہ تاریخ اہل حدیث ص: ۱۳۴﴾

اور اہل حدیث کی معنوی حیثیت کے بارے میں مورخ اسلام خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں:

”ولو أن صاحب الرأي شغل بما ينفعه من العلوم، و طلب سنن رسول رب العالمين لوجد ما يُغنيه عن سواه لأن الحديث يشتمل على معرفة أصول التوحيد و بيان ما جاء الوعد و الوعيد، و صفات رب العالمين، و الاخبار عن صفة الجنة و النار، و ما أعدّ الله فيها للمتقين و الفجار، و ما خلق الله في الأرضين و السماوات.... و في الحديث قصص الأنبياء و أخبار الزهاد و الأولياء و مواعظ البلغاء و كلام الفقهاء، و خطب الرسول و معجزاته، و فيه تفسير القرآن الكريم و ما فيه من النبأ و الذكر الحكيم و أقاويل الصحابة في الأحكام المحفوظة عنهم... و قد جعل الله أهله (الحديث) أركان الشريعة، و هدم بهم كل بدعة شنيعة، فهم أمناء الله في خليفته و الواسطة بين النبي و أمته، و المجتهدون في حفظ متنه، أنوارهم زاهرة و فضائلهم سائرة، و كل فئة تتحيز الى هوى ترجع اليه، و تستحسن رأياً تعكف عليه سوى أصحاب الحديث، الكتاب عدتهم و السنة حجتهم و الرسول فئتهم، و اليه نسبتهم، لا يلتفتون الى الآراء من كابدهم قصمه الله و من عاداهم خذله الله“

﴿شرف أصحاب الحديث. بحوالہ منهاج الفرقۃ الناجية. ص: ۱۲﴾

اگر صاحبِ الرائے نفع بخش علوم میں مشغول ہو جائے اور رب العالمین کے رسول کی سنتوں کا طلب گار ہو جائے تو وہ دوسری چیزوں سے بے نیاز ہو جائیگا، اس لئے کہ علم حدیث اصولِ توحید کی معرفت، وعدہ و وعید کے تمام وجوہات اور رب العالمین کے جملہ صفات کو حاوی ہے، جس کے اندر جنت اور دوزخ کی صفات، مقبوض، فاسقوں اور فاجروں کے لئے جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے اس کا بیان ہے، اس میں زمین و آسمان کی تمام مخلوقات، نبیوں کے قصے، زاہدوں کے اخبار، اولیاء کے حالات، اہل فصاحت و بلاغت کے مواعظ، فقہاء کے کلام، رسول کے خطبے اور معجزات کا بیان ہے، جس میں قرآن مجید کی تفسیر، قیامت کے احوال، حکمت سے لبریز ذکر و اذکار، اور صحابہ کے اقوال سے مستنبط احکام و مسائل محفوظ و مذکور ہیں۔

جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اہل حدیث کو شریعت کے ارکان و اساطین کے منصب سے سرفراز فرمایا ہے، اور جن کے ہاتھوں ہر طرح کی بدعت و ضلالت کی دیوار منہدم ہوئی ہے، وہ اللہ کی خلافت کے امین و پاسباں ہیں، نبی اور ان کی امتی کے درمیاں واسطہ ہیں، ان کے ارشادات کے حفظ و اتقان کے مجاہد ہیں، ان کے انوار و ازہار کھل رہے ہیں، اور ان کے فضائل کا چشمہ جاری ہے، ہر جماعت کسی نہ کسی نفسانیت کی شکار اور کسی نہ کسی رائے کے دام میں گرفتار ہے، لیکن جماعتِ اہل حدیث وہ جماعت ہے جس کا زادراہ کتاب اللہ ہے، سنت ان کی دلیل، رسول اللہ ان کی جماعت اور انہی کی طرف ان کی نسبت ہے، وہ آراء اور ظن و تخمین کی طرف توجہ نہیں کرتے،، جس نے انہیں تکلیف پہنچائی یا ان کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی کمر توڑ دی، اور جس نے ان سے عداوت مولیٰ تو اللہ تعالیٰ نے اسے رسوا کر دیا،

ان لفظی اور معنوی خوبیوں کے باوجود برصغیر کی تحریکِ اہلحدیث کو اس نام کے رکھنے پر نہ فخر ہے اور نہ ناز اور نہ اصرار کہ اس نام کے بغیر یہ تحریک زندہ نہیں رہ سکتی

یازمان و مکان اور ظروف و حالات کے پیش نظر کتاب و وسنت کے مطابق کوئی دوسرا نام تجویز نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کے حاملین نے مختلف ملکوں میں مختلف ناموں سے اپنے مشن کو جاری کر رکھا ہے جیسے مصر اور سوڈان میں انصار السنہ اور متحدہ عرب امارات میں جمعیتہ دار البر اور مکتبۃ الکتاب والسنہ اور ایک جنرل نام سلفی سے یہ تحریک یاد کی جاتی ہے جس کا دائرہ بہت وسیع ہے، نام کوئی بھی ہوا چھا ہوا اور شریعت کے مطابق ہو، اصل مقصد اس کے کام سے ہے:

عبارتِ اتنا شتیٰ و حسنک و احد ☆ و کل الی ذاک الجمال یشیر
 ہماری عبارتیں، الفاظ اور نام مختلف ہیں لیکن اے ہماری جماعت تیرا معنوی حسن ایک ہی ہے، ہر عبارت، لفظ اور نام اس معنوی حسن و جمال کی نشان دہی کر رہا ہے۔
 اس تحریک کو اہل حدیث نام کی طرح ان دیگر مذکورہ ناموں کے رکھنے پر بھی نہ کوئی اصرار ہے اور نہ فخر بلکہ بدرجہ مجبوری اور ضرورت کے تحت یہ نام اختیار کئے گئے ہیں، اگر امت اسلام کسی ایک نام پر متحد ہو جائے جو ”ماأنا علیہ و أصحابی“ کی نمائندگی کرتا ہو، تو سب سے پہلے تحریک اہل حدیث اس وحدت اور یگانگت کو گلے سے لگائے گی اور یک لخت اپنے تمام ناموں کو خیر باد کہہ دے گی، یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ سر دست بر صغیر میں ناموں کو لے کر ایک طوفان کھڑا ہے، اور جس کی وجہ سے تحریک اہل حدیث کو مطعون کیا جا رہا ہے، میری طرف سے ان حضرات کی خدمات میں مودبانہ گزارش ہے کہ وہ مراقبہ، کشف، وحدۃ الشہود، وحدۃ الوجود، اور دیگر شخصی بندھنوں سے آزاد ہو کر کتاب و سنت کی روشنی میں کوئی ایسا نام تجویز کریں جو امت اسلام کو وحدت کی لڑی میں پرودے اور فرمان الہی ”واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا“ پر عمل ہو جائے، جس سے توحید کے بعد اسلام کا بنیادی مقصد وحدت امت اس دور میں بھی حقیقت کا جامہ زیب تن کر لے، اور اس طرح تحریک

اہل حدیث کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دلوں کو قرار حاصل ہو جائے۔

تحریک اہل حدیث کا مقصد

تحریک اہلحدیث کی جامعیت کی طرح اس کے مقاصد بھی جامع مانع ہیں جو اپنے اندر ہر زمان و مکان کے مصالح اور تقاضوں کی تکمیل اور حل کی بدرجہ اتم صلاحیت رکھتے ہیں، جنہیں ذیل کے نکات کے ذریعے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے:

﴿۱﴾ تحریک اہل حدیث عقیدہ کے باب میں اثبات اور عدم تفویض کی راہ پر گامزن ہے، یعنی کتاب و سنت میں جن امور کا جس طرح بیان ہوا ہے، اسے بلا کسی تاویل، تعطیل، تمثیل، تجسیم اور تشبیہ کے دل و جان سے مانتی ہے:

”لیس کمثله شیء و هو السميع البصیر“ ﴿الشوریٰ: ۱۱﴾

اس جیسی کوئی چیز نہیں، وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

نیز اس کی بنا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، عبادت، دعا، شدت و رخاء میں استقامت، ذبح و نذر اللہ، توکل اور حکم بما أنزل اللہ کی تنفیذ پر قائم ہے۔

﴿۲﴾ تحریک اہل حدیث کا نظام فقہی مسائل میں بھی کتاب و سنت اور آثار صحابہ پر قائم ہے، اور اہل ظاہر اور اہل تقلید دونوں کے درمیان کی معتدل راہ پر بلا افراط و تفریط عمل پیرا ہے۔

”فان تنازعتم فی شئی فردوه الی اللہ و الرسول“ ﴿النساء: ۵۹﴾

پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ!

”ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتما بہما کتاب اللہ و سنتہ

رسولہ“ ﴿سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ۔ ج ۴ ص: ۳۶۱﴾

تم میں دو چیزیں کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت چھوڑے جا رہا ہوں، ان دونوں

کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو ہر گمراہ نہ ہو گے۔

﴿ ۳ ﴾ کتاب و سنت اور آثار صحابہ سے کسی پیش آمدہ مسئلہ کی گہرہ کشائی نہ ہو سکے تو تحریریک اہل حدیث بقدر ضرورت قیاس سے کام لیتی ہے، جس کی بنا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر ہے:

”اللہ الذی أنزل الكتاب بالحق و المیزان“ ﴿الشوری: ۱۷﴾

اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور میزان بھی اتاری ہے۔

﴿ ۴ ﴾ اُنْمَةُ اُربعة اور امت اسلام کے دیگر جملہ مجتہدین و محققین کی دل سے قدر کرتی اور ان کے ان آراء سے مستفید ہوتی ہے جو کتاب اللہ، سنت رسول اور آثار صحابہ سے زیادہ ہم آہنگ ہوں، کیوں کہ ”ارشاد الہی“ ”واعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا“ کا یہی تقاضا ہے۔

﴿ ۵ ﴾ شخصیات کی بے جا عقیدت اور ان کی محبت میں غلو سے بہر صورت پرہیز کرتی ہے، اور اپنی محبت و بغض کی بنیاد ”الحب لله والبغض لله“ پر رکھتی ہے، اور اس راہ میں ہر طرح کی بدعات و خرافات سے بچتی ہے کیوں کہ اللہ کے رسول کے اس ارشاد کا یہی تقاضا ہے:

”وایاکم و محدثات الأمور فان کل محدثۃ بدعة و کل بدعة

ضلالة“ ﴿الترمذی﴾

اور دین میں نئے نئے ایجاد کردہ امور سے بچو! اس لئے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

﴿ ۶ ﴾ کتاب اللہ اور سنت رسول سے کسی کلام اور رائے کو کسی طرح مقدم نہیں جانتی، کیوں کہ امت اسلام کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے:

”یا ایہا الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ ، واتقوا اللہ ان

اللہ سمیع علیم“ ﴿الحجرات: ۱﴾

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے اپنے آپ کو مقدم نہ کرو! اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو! یقیناً اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے۔

اور اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ ہر کسی سے خطا و صواب کے صدور پر ایمان رکھتی ہے، کیوں کہ اللہ کے رسول کا ایسا ہی حکم ہے:

”کل بنی آدم خطاء، و خیر الخطائین التوابون“ ﴿مسند احمد﴾

ہر آدمی خطا کار ہے اور بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔

اور امام مالکؒ فرماتے ہیں:

”لیس أحد بعد النبی الا یؤخذ من قوله و یتروک الا النبی ﷺ“

نبی کے بعد کوئی ایسی شخصیت نہیں جس کی بات صرف لی جائے اور چھوڑی نہ جائے۔

﴿۷﴾ کتاب اللہ اور سنت رسول اور ان سے متعلق علوم کی ترویج و اشاعت پر امکان بھر عمل کرتی ہے، اور ہر حال میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ حسب استطاعت انجام دیتی ہے:

”ولتکن منکم أمة یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینہون

عن المنکر و أولئک ہم المفلحون“ ﴿آل عمران: ۱۰۴﴾

تم سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے، نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

﴿۸﴾ اسلام کی سر بلندی کے لئے جہاد کو قیامت تک کے لئے فرض سمجھتی ہے، اور اس سلسلے میں زمان و مکان اور ظروف و حالات کے اعتبار سے جہاد باللسان، جہاد بالقلم، جہاد بالمال اور جہاد بالنفس سے کام لیتی ہے:

”جاهدوا المشرکین بأموالکم و أنفسکم و ألسنتکم“ ﴿ابوداؤد﴾

مشرکین سے اپنے مالوں، اپنی جانوں اور زبانوں سے جہاد کرو
﴿۹﴾ اپنے ایمان و عمل کی بنا پر یقین رکھتی ہے کہ اللہ کے رسول کی یہ بشارت اس کے
حق میں سرفہرست ہے۔

”لاتزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم حتى
يأتي أمر الله“ ﴿مسلم﴾

حق پر ایک جماعت ہمیشہ قائم رہیگی، اسے رسوا کرنے والے کی رسوائی نقصان نہیں
پہونچائیگی یہاں تک کہ قیامت آجائے۔

اللهم اجعلنا من أهل الحديث وارزقنا العمل به و محبة أهله“
اے اللہ ہمیں اہل حدیث بنا، اس کی اتباع اور عمل کی توفیق دے اور ان کی الفت و محبت
کا شیدابنا آمین۔ فقط:

ممتاز احمد عبداللطیف

۲۱/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۱/جولائی ۲۰۰۳ء

عالم انٹرنیٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین القائل فی کتابہ المبین،، سنریہم آیاتنا فی الأفاق و فی أنفسہم حتی یتبین لہم أنه الحق أولم یکف بربک أنه علی کل شئی شہید“ ﴿حم سجدة: ۵۳﴾ والصلاة والسلام علی نبیہ الناصح الأمين محمد بن عبد اللہ القائل،، لا تقوم الساعة حتی یتقارب الزمان فتكون السنة کا لشهر ویكون الشهر كالجمعة وتكون الجمعة كالیوم ویكون الیوم كالساعة وتكون الساعة کا حترق السعفة“ ﴿مسند احمد ۵۳۷/۲﴾ وعلی آلہ و أصحابہ ومن تبعہ بإحسان إلی یوم الدین. وبعد:

تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس نے اپنی کتاب مبین میں فرمایا:،، غفریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی اپنی ذات میں بھی۔ یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے۔ کیا آپ کے رب کا ہر چیز سے واقف و آگاہ ہونا کافی نہیں“

اور درود سلام ہو اس کے ناصح امین نبی محمد بن عبد اللہ پر جنہوں نے ارشاد فرمایا:،، قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ زمانہ قریب نہ ہو جائے۔ سال مہینہ کی طرح۔ مہینہ ہفتہ کی طرح۔ ہفتہ دن کی طرح۔ دن گھنٹہ کی طرح اور گھنٹہ کھجور کے پتے کے جلنے کی طرح ہو جائے“

اور سلامتی ہو آپ کی آل و اولاد۔ اصحاب اور قیامت کے دن تک آپ کی بہترین پیروی کرنے والوں پر۔

